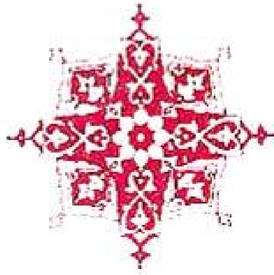
بسم اللہ الرحمن الرحیم



مؤلّفہ

حافظ فضل الرّحیم



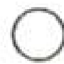
بسم الله الرحمن الرحيم

نحمده ونصلي على رسوله الكريم

قال اللہ تعالیٰ

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ

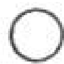
خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم



مؤلف

حافظ فضل الرحیم

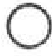
نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور



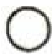
ناشر

میاں محمد احمد کراچی

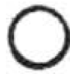
نام کتاب : خلفائے راشدین
مؤلف : حافظ فضل الرحیم نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور
ناشر : محمد احمد۔ ہارڈ ویئر مینوفیکچرنگ کارپوریشن لمیٹڈ کراچی
اشاعت اوّل : جنوری ۱۹۸۸ء
تعداد : ایک ہزار



ملنے کے پتے :
(۱) حافظ فضل الرحیم جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور
(۲) محمد احمد: ہارڈ ویئر مینوفیکچرنگ کارپوریشن لمیٹڈ کراچی



ترتیب



پیش لفظ

بِسمِ اللهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

انسانی رُشد و ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے تخلیقِ آدمؑ کے ساتھ ساتھ ہی نبوّت و رسالت کا سلسلہ شروع فرمایا۔ یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک جاری رہا۔ آپؐ کی بعثت سے قبل انبیاء و رسل کی بعثت خاص خاص قبیلوں قوموں، خاندانوں اور علاقوں کی طرف ہوتی رہی مگر آپؐ کو خاتم الانبیاء بنا کر کُل عالم کےلیے مبعوث فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کائنات کی ہر ہر چیز نے خواہ اُس کا تعلق جمادات سے ہو، نباتات سے ہو یا حیوانات سے ہو، آپؐ کی رسالت کی گواہی دی۔ آپؐ کا دین آخری دین ہے۔ اس کی حفاظت ربّ العزّت نے اپنے ذِمّہ لی ہے۔ اس حفاظت کے اسباب و طرق ربّ العزّت نے مختلف بنائے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو شریعت اور کتاب لے کر آئے اُس کو صحابہؓ تک پہنچایا۔ صحابہ کرامؓ نے اس کو بعینہٖ آگے اُمّت تک پہنچایا۔ پھر اسی طرح نسلاً بعد نسل اور طبقۃً بعد طبقہ یہ دین آج ہم تک پہنچا۔ صحابہ کرامؓ جنھوں نے اس دین کی آبیاری فرمائی اُن کا اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا مقام ہے۔ پھر ان صحابہ کرامؓ میں سے خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو سب سے زیادہ افضلیت اور فوقیت حاصل ہے۔ ان میں بھی درجات رکھے گئے ہیں۔ پہلا درجہ سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے اور اس کے بعد حضرت عُمر اور حضرت عثمان پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنھم کا ہے۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے مشہور حدیث "خیر القرون قرنی" سے استدلال فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ لفظ "قرنی" میں خلافت کی ترتیب کی طرف اشارہ

ہے۔ اس طرح کہ 'ق' سے مراد حضرت ابُوبکر صدیق خلیفۂ اوّل۔ 'ر' سے مراد حضرت عمرؓ، 'ن' سے مُراد حضرت عثمان اور 'ی' سے حضرت علی ہیں۔ ان ہی خلفاء کے بارے میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد مبارک ہے۔ عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ ۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تم پر میرا اور میرے خلفاء راشدین کا اتباع لازمی اور ضروری ہے۔ خلفاءِ راشدین کا مقام کیا ہے۔ ان کے بارے میں اہل سُنّت والجماعت کے عقائد کیا ہیں۔ ان حضرات نے دین اور شریعتِ اسلامیہ کے لیے کیا کیا قرُبانیاں دی ہیں اور کیا کیا خدمات بجا لائی ہیں ان کا تذکرہ ہر مسلمان کے لیے باعثِ سعادت اور ذریعہ نجات ہے اور یقیناً منزلِ مقصود کی طرف راہنمائی کرنے والا ہے۔ خلفاءِ راشدین کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ سے لے کر جامعہ اشرفیہ کے سابق شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ تک، عُلماءِ کرام نے مختلف ادوار میں عجیب وغریب تالیفات چھوڑی ہیں جو علمی لحاظ سے حدِ کمال تک پہنچی ہوئی ہیں۔

دورِ حاضر میں جہاں مصروفیات ومشغولیات عروج پر ہیں وہاں طبائع بھی کمزور پڑ گئی ہیں۔ ضرورت تھی اس بات کی ان جلیل القدر ہستیوں کے بارے میں مختصر اور جامع انداز میں اس طرح لکھا جائے کہ قاری ایک دو نشستوں میں ان بابرکت حضرات کے مبارک تذکرے سے مستفید ہو سکے۔ اس مقصد کے پیشِ نظر راقم کے کرمفرما مخلص اور بزرگ جناب میاں محمد احمد صاحب نے اس طرف توجہ مبذول کروائی بلکہ حکم دیا کہ یہ کام بہرصُورت ہونا چاہیئے۔ چنانچہ راقم نے باوجود مصروفیات اور کم علمی کے محض توکلاً علی اللہ یہ بیڑا اُٹھانے کا وعدہ کر لیا۔ میرے ساتھ اس خدمت کی انجام دہی میں عزیزم مولوی محمد امجد کاشمیری مدرس جامعہ اشرفیہ اور مولوی فرید احمد بالاکوٹی نے اپنی ہمت واستطاعت سے بڑھ کر تعاون فرمایا جس پر راقم ان کا تہِ دل سے مشکور ہے۔

حافظ فضل الرحیم

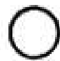
بسم اللہ الرحمن الرحیم

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ ط وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ

(سُورۃ الفتح)

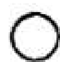
محمدؐ اللہ کے رسُول ہیں اور جو اُن کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت اور آپس میں بڑے مہربان ہیں

(تفسیر حقّانی)



سیرتِ طیبہ پر ایک اجمالی نظر

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم



آپؐ شہرِ مکّہ میں سردارِ قریش حضرت عبد المطلب کے گھر پیدا ہوئے۔ آپؐ کے والد ماجد کا نامِ نامی عبد اللہ اور والدہ محترمہ کا اسمِ گرامی آمنہ تھا۔

آپؐ کی ولادت سراپا بشارت ربیع الاوّل کے مہینہ میں دوشنبہ کے دن صبحِ صادق کے وقت آٹھویں یا نویں تاریخ کو ہوئی۔ انگریزی تاریخ ۲۰ اپریل ۵۷۱ء بیان کی گئی ہے اُس وقت ایران میں نوشیروانِ عادل کی حکومت تھی۔

آپؐ کی ولادت بابرکت کے وقت بہت سے عجائبِ قدرت کا ایسا ظہور ہُوا کہ کبھی دُنیا میں وہ باتیں نہیں ہُوئیں، بے زبان جانوروں نے انسانی زبان میں آپکی خوشخبری سُنائی، درختوں سے آوازیں آئیں۔ بُت پرستوں نے بُتوں سے آپؐ کی خوشخبری سُنی، دنیا کے دونوں بڑے بادشاہوں یعنی شاہِ فارس اور شاہِ رُوم کو بذریعہ خواب آپؐ کی عظمت و رفعت سے آگاہی دی گئی اور یہ بھی ان کو بتایا گیا کہ آپؐ کی سطوت و جبروت کے سامنے نہ صرف کسریٰ و قیصر بلکہ ساری دنیا کی شوکتیں سرنگوں ہو جائیں گی۔

آپؐ شکمِ مادر میں تھے کہ والد ماجد کا انتقال ہو گیا اور چار برس کی عمر میں مادرِ مہربان کا سایہ بھی سر سے اُٹھ گیا۔

بچپن میں عجیب و غریب حالات مشاہدے میں آئے۔ ایک بڑا حصہ آپؐ کی کم سنی

کے حالات کا حضرت حلیمہؓ سے منقول ہے۔ حق یہ ہے کہ بڑی خوش نصیب تھیں۔ بت پرستی اور بے حیائی کے کاموں سے آپؐ ہمیشہ پرہیز کرتے رہے۔ آپؐ کی صداقت اور امانت قبلِ نبوت بھی تمام مکّہ میں مشہور اور مسلم الکل تھی۔ حتیٰ کہ آپؐ کا لقب صادق اور امین زبان زدِ خلائق تھا۔

جب آپؐ کی عمرِ گرامی پچیس سال کی ہوئی تو حضرت خدیجہؓ کے ساتھ آپؐ کا نکاح ہوا جو خاندانِ قریش میں ایک بڑی دانشمند اور دولت مند خاتون تھیں۔ نکاح کے وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس سال تھی۔

جب عمر شریف چالیس سال کی ہوئی تو دوشنبہ کے دن ۱۷ رمضان کو اور ایک قول کے مطابق ۲۴ رمضان کو جب کہ خسرو پرویز بادشاہ ایران کے جلوس کا بیسواں سال تھا —— وہ دولتِ عظمیٰ آپؐ کو عطا ہوئی جو روزِ ازل سے آپؐ کے لیے نامزد ہو چکی تھی جس کی دعا حضرت خلیلؑ نے مانگی جس کی بشارت حضرت عیسیٰؑ نے دی تھی یعنی حق تعالیٰ نے آپؐ کو اپنا رسول بنایا اور سارے عالم کی طرف مبعوث کیا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

نبوت کے بعد تیرہ برس آپؐ کا قیام مکّہ معظمہ میں رہا پھر ہجرت کر کے آپؐ مدینہ منورہ تشریف لائے۔ دس برس مدینہ میں قیام رہا۔ اس دس سال کے عرصہ میں انیس ۱۹ لڑائیاں بھی آپؐ کو کافروں سے لڑنی پڑیں۔

بکثرت معجزات وخوارقِ عادات کا آپؐ سے ظہور ہوا۔ سب سے بڑا معجزہ آپؐ کا قرآن شریف ہے جس میں فصاحت وبلاغت کا اعجاز بھی ہے اور اخبارِ غیب کا بھی، اور قوتِ تاثیر و سرعتِ تاثیر بھی۔

نبوت کے بارہویں سال جب کہ عمر شریف اکیاون سال نو ماہ کی تھی حق تعالیٰ نے آپؐ کو معراج عطا فرمائی، یعنی آپؐ کو آسمانوں پر بلایا گیا، جنّت و دوزخ کی سیر آپؐ کو کرائی گئی اور عالمِ ملکوت کے عجائب اور اللہ تعالیٰ کی آیاتِ کبریٰ کا مشاہدہ آپؐ کو کرایا گیا۔

جب عمر شریف تریسٹھ برس کی ہوئی اور ہجرت کا گیارہواں سال شروع ہوا، تو

بارہویں ربیع الاوّل کو دوشنبہ کے دن بوقت چاشت چودہ دن بیمار رہ کر اس عالم سے رحلت فرمائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

آخری وصیت جو آپؐ نے مسلمانوں کو فرمائی وہ یہ تھی کہ نماز کی حفاظت کرنا اور اپنے لونڈی غلاموں کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں جس جگہ آپؐ کی وفات ہوئی تھی وہیں آپؐ کی قبر شریف بنائی گئی جو زیارت گاہِ عالم ہے۔

بعثت نبوّت (مکّی زندگی)

اکتالیسویں سال کے پہلے دن اعلانِ نبوّت فرمایا، وحی الٰہی کا نزول ہُوا۔

سنہ ۱ نبوّت میں سیّدنا ابوبکر صدیق رضؓ، سیّدنا علی المرتضیٰ رضؓ، ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ اور حضرت زید رضؓ نے ایمان واسلام کی سعادت حاصل کی۔

صدیقِ اکبر رضؓ کی دعوت پر عثمانِ غنی رضؓ، عبدالرحمٰن رضؓ بن عوف، سعد بن ابی وقاص، طلحہ رضؓ و زبیر رضؓ نے اسلام قبول کیا۔ ارقم رضؓ بن ارقم، بلالِ حبشی رضؓ، صہیب رومی رضؓ اور حضرت سمیہ رضؓ نے اسلام کی سعادت حاصل کی، ابوعبیدہ رضؓ بن الجراح، سعید رضؓ ابن زید، عبداللہ رضؓ ابن مسعود ایمان لائے اور شرفِ صحابیت حاصل کیا۔ دارِ ارقم میں جو کوہِ صفا کے دامن میں تھا دینی تعلیم و تربیت کے لیے پہلا مدرسہ قائم کیا گیا یہاں سنہ ۳ نبوّت تک چھپکے چھپکے لوگوں کو اسلام کی تعلیم دی گئی۔

سنہ ۴ نبوّت سے کھلّم کھلا دین سکھلایا جانے لگا، آزمائشوں کا دروازہ کھُلا، ساحر و کاہن کے نام سے پکارے گئے، حقیقی چچی امِّ جمیل زوجہ ابولہب نے راہ میں کانٹے بچھائے، نماز

پڑھتے ہوئے گردن مبارک میں چادر ڈال کر بل دیے گئے، حضرت سمیہؓ کی ران میں نیزہ مار کر شہید کیا گیا۔ حضرت زبیرؓ کو کھجور کی چٹائی میں لپیٹ کر کوٹھری میں بند کر کے دھواں دیا گیا۔ بلال حبشیؓ کو گرم گرم پتھروں پر لٹایا گیا۔ پیروں میں رسّی ڈال کر گھسیٹا گیا۔

۵ سنہ نبوت: رجب کے مہینے میں انفرادی ہجرت کا حکم ہُوا، حضرت عثمانؓ اور حضرت رقیہؓ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشہ کی جانب ہجرت فرمائی۔

۶ سنہ نبوت میں حضرت حمزہؓ نے اور پھر تین دن کے بعد حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا کعبہ میں نماز پڑھی گئی۔

۷ سنہ نبوت میں شعب ابی طالب میں نظر بند کیے گئے۔ قریش نے آپ پر عرصۂ حیات تنگ کرنے کا معاہدہ کیا، اوائل ۱۰ سنہ نبوت تک ہمہ قسم کے مظالم ڈھائے گئے، اور ایمان لانے والوں کو بُری طرح ستایا گیا۔

۱۰ سنہ نبوت میں شعب ابی طالب کی اسیری سے رہائی کے بعد طائف کا سفر فرمایا۔ دعوتِ حق میں جسمِ اطہر کو لہولہان کرایا اور خون کے پیاسوں کے لیے ہدایت کی دُعا فرمائی۔

۱۱ سنہ نبوت میں مدینہ منوّرہ کے پہلے قافلے نے ایمان کی دولت پائی۔

۱۲ سنہ نبوت میں ۲۷ رجب المرجب روز دوشنبہ معراج عطا ہوئی۔ پانچ وقت کی نماز فرض ہوئی

۱۳ سنہ نبوت میں ۲۷ صفر المظفر شب جمعۃ المبارک کو سیّدنا صدیقِ اکبرؓ کی معیت میں مکہ بہ عزمِ ہجرت چھوڑا۔

بعدِ ہجرت (مدنی زندگی)

سنہ ۱ ہجرت میں یکم ربیع الاوّل دوشنبہ کے دن غارِ ثور سے باہر تشریف لائے
۸ ربیع الاوّل دوشنبہ کے دن رونق افروز قبا ہوئے۔
۲۲ ربیع الاوّل دوشنبہ کے دن، قبا میں چودہ یوم قیام کے بعد نور افزائے مدینہ منورہ ہوئے۔ مدینہ منورہ کا نام صدیوں سے یثرب تھا۔ اس یثرب نے آپؐ کے قدموں کی برکت سے مدینۃ الرسولؐ ہونے کا شرف حاصل کیا۔
مدینہ منورہ میں مسجدِ نبوی کی بنیاد رکھی گئی۔

سنہ ۲ ہجرت میں اذان کا حکم ہوا۔ کعبہ مکرّمہ قبلہ قرار پایا، رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے، تین سو تیرہ اصحابِؓ رسول ربّ العالمین نے رسُول ربّ العالمین کی معیت میں غزوۂ بدر میں شرکت کی۔ ایک ہزار کا تین تیرہ کیا، امتِ محمدیہ کا فرعون ابُوجہل مارا گیا۔

سنہ ۳ ہجرت میں زکوٰۃ فرض ہوئی، ماہِ شوال میں غزوۂ اُحد پیش آیا۔ حضرت حمزہ عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوئے۔ زبانِ رسالت نے سیّد الشہداء کا خطاب مرحمت فرمایا

سنہ ۴ ہجرت میں شراب کا پینا حرام قرار پایا۔

سنہ ۵ ہجرت میں عورتوں کو پردے کا حکم دے دیا گیا۔ آیتِ حجاب نازل ہُوئی۔
ماہِ شوال میں غزوۂ خندق پیش آیا۔

سنہ ۶ ہجرت میں قریش سے تاریخی معاہدہ ہُوا جو صلحِ حُدیبیہ کے نام سے مشہور ہے، اسی سن میں آپؐ نے اپنے وقت کے مشہور بادشاہوں کے پاس سفیر روانہ فرمائے اسلام کی دعوت پیش کی۔

۷ سنہ ہجرت میں غزوۂ خیبر (ماہِ محرم و ماہِ صفر میں) شمامہؓ والی نجد، جبلہ شاہ غان، فردہؓ بن عمرو خزاعی گورنرِ شام نے اسلام قبول کیا۔

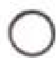
۸ سنہ ہجرت میں فتح مکہ رمضان المبارک میں، عام معافی کا اعلان، غزوۂ حنین بعد فتح مکہ خالدؓ بن ولید، عثمانؓ بن ابوطلحہ عمروؓ بن عاص نے مدینہ حاضر ہو کر اسلام کی سعادت حاصل کی، عکرمہؓ بن ابوجہل مسلمان ہوئے۔

۹ سنہ ہجرت ماہِ رجب میں غزوہ تبوک پیش آیا، حج فرض ہوا، صدیقِ اکبر کو امیر الحج مقرر فرمایا۔ عدیؓ بن حاتم طائی، اکیدرؓ والی دومتہ الجندل، ذی الکلاعؓ بادشاہ قبائل حمیر نے اسلام قبول کیا۔

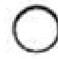
۱۰ سنہ ہجرت ایک لاکھ چوالیس ہزار شاگردوں (صحابیوں) کو ساتھ لے کر فریضہ حج ادا فرمایا اور اسلام کے تمام اصول سمجھا کر اُمت کو "وداع" کیا۔

وَعَنْ عَائِشَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْ مَرَضِهِ الَّذِيْ لَمْ يَقُمْ مِنْهُ لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَاۤءِهِمْ مَسَاجِدَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس بیماری میں فرمایا جس سے اُٹھے نہیں تھے۔ اللہ یہود و نصارٰی پر لعنت کرے اُنھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا

 بحوالہ مشکوٰۃ شریف مترجم ج ۱ ص ۱۵۳

صحابہ کرامؓ و خلفائے راشدینؓ کے متعلّق ضروری عقائد



عقیدہ ۱: رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کی صحبت بہت بڑی چیز ہے۔ اس لیے امت میں صحابہ کرام کا رتبہ سب سے بڑا ہے۔ ایک لمحہ کے لیے بھی جس کو رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کی صحبت حاصل ہوگئی، مابعد والوں میں بڑے سے بڑا بھی اس کے برابر نہیں ہو سکتا۔

ف: صحابہ کرامؓ کی تعداد غزوۂ بدر میں تین سو چودہ تھی اور حدیبیہ میں پندرہ سو، فتح مکّہ میں دس ہزار، حنین میں بارہ ہزار، حجۃ الوداع یعنی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے آخری حج میں چالیس ہزار، غزوۂ تبوک میں ستر ہزار۔ بوقتِ وفاتِ نبویؐ ایک لاکھ چوبیس ہزار اور جن صحابہ کرامؓ سے کتبِ حدیث میں روایات منقول ہیں ان کی تعداد ساڑھے سات ہزار ہے۔

عقیدہ ۲: صحابہ کرامؓ میں مہاجرین وانصار کا مرتبہ باقی صحابہ سے زیادہ ہے اور مہاجرین وانصار میں اہلِ حدیبیہ کا مرتبہ سب سے بڑھ کر ہے اور اہلِ حدیبیہ میں اہلِ بدر اور اہلِ بدر میں چاروں خلفاء کا رتبہ سب سے زیادہ ہے اور چاروں خلفاء میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا پھر حضرت عمر فاروقؓ کا مرتبہ سب سے فائق ہے۔

ف: مہاجرین ان صحابہ کرام کو کہتے ہیں جنھوں نے خدا اور رسول کے لیے اپنے وطن مکّہ معظّمہ کو چھوڑ دیا جن کی مجموعی تعداد ایک سو چودہ تھی اور انصار ان صحابہ کرام کو کہتے ہیں جو مدینہ منوّرہ کے رہنے والے تھے اور انھوں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اور مہاجرین

کو اپنے شہر میں جگہ دی اور ہر طرح مدد کی۔

عقیدہ ۳ : چاروں خلفاء کا افضل امت ہونا خلافت کی وجہ سے نہیں ہے۔ اگر بالفرض بجائے ان کے دوسرے حضرات خلافت کے لیے منتخب ہو جاتے تو بھی یہ حضرات افضل امت مانے جاتے۔

عقیدہ ۴ : خلیفۂ رسول مثل رسول کے معصوم نہیں ہوتا۔ نہ اس کی اطاعت ہر کام میں مثل رسول کی اطاعت کے واجب ہوتی ہے۔ بالفرض کوئی خلیفہ سہواً یا عمداً کوئی حکم شریعت کے خلاف دے تو اس حکم میں اس کی اطاعت نہ کی جائے گی۔ عصمت خاصۂ نبوت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو معصوم ماننا عقیدۂ نبوت کے خلاف ہے۔

عقیدہ ۵ : خلیفۂ رسول کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ دین میں نئے احکام دے۔ نہ اس کو کسی چیز کے حلال و حرام کرنے کا اختیار ہوتا ہے بلکہ اس کا صرف یہ کام ہے، کہ قرآن و حدیث پر لوگوں کو عمل کرائے۔ احکامِ شرعیہ کو نافذ کرے اور انتظامی امور کو سرانجام دے۔

عقیدہ ۶ : خلیفۂ رسول کا مقرر کرنا خدا کے ذمہ نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کے ذمہ ہے۔ جس طرح امام نماز کا مقرر کرنا مقتدیوں کے ذمہ ہوتا ہے۔

ف : اہلسنت والجماعت جو خلفائے راشدین کی خلافت کو منجانب اللہ مانتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ چاروں خلفاء مہاجرین میں سے ہیں اور مہاجرین میں اہل بیت خلافت کا ہونا اور جو ان میں سے خلیفہ ہو جائے اس کی خلافت کا پسندیدۂ خدا ہونا قرآن مجید میں وارد ہو چکا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے رسالہ تفسیر آیت تمکین از مولانا عبدالشکور لکھنوی)

اور حضرت ابوبکر صدیقؓ یا تینوں خلفاء کی خلافت کو منصوص کہنا بایں معنی نہیں ہے، خدا یا رسول نے ان کو خلیفہ کر دیا تھا بلکہ بایں معنی ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ

نے صحابۂ کرام کو خلافت دینے کا وعدہ فرمایا اور خلیفہ موعود کے متعلق کچھ علامات اور کچھ پیشین گوئیاں ارشاد فرمائیں جو ان تینوں خلفاء میں پائی گئیں اور ان تینوں خلافتوں کے نہ ماننے کے بعد ان آیتوں کے صادق ہونے کی کوئی صورت ممکن نہیں۔ علیٰ ہذا احادیثِ نبویہ میں بھی ان تینوں خلفاء کے متعلق پیشین گوئیاں بہت ہیں اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے متعلق تو ان پیشین گوئیوں وغیرہ کے علاوہ ایک بات یہ بھی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی آخری بیماری میں اپنی جگہ پر امامِ نماز بنا دیا تھا۔

عقیدہ ۷ : رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات گیارہ تھیں، حضرت خدیجہؓ، حضرت زینب بنت خذیمہ ان دونوں کی وفات آپؐ کے سامنے ہی ہوگئی، حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت اُمِ حبیبہؓ، حضرت زینبؓ بنت جحش، حضرت امِ سلمہؓ، حضرت صفیہؓ، حضرت سودہؓ، حضرت میمونہؓ، حضرت جویریہؓ سب بیبیاں خدا اور رسولؐ کی برگزیدہ اور تمام ایمان والوں کی ماں ہیں اور سارے جہان کی ایمان والی عورتوں سے افضل ہیں۔ ان میں بھی حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہؓ کا رتبہ زیادہ ہے۔

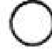
عقیدہ ۸ : رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں چار تھیں، حضرت زینب جن کا نکاح حضرت ابوالعاصؓ سے ہوا، حضرت امِ کلثومؓ اور حضرت رقیہؓ۔ ان دونوں کا نکاح یکے بعد دیگرے حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے ساتھ ہوا ___ حضرت فاطمہؓ جن کا نکاح حضرت علی مرتضیٰؓ کے ساتھ ہوا۔ یہ چاروں صاحبزادیاں بڑی برگزیدہ اور صاحبِ فضائل تھیں اور ان چاروں میں حضرت فاطمہؓ کا رتبہ سب سے زیادہ ہے۔ وہ اپنی ماؤں کے سوا سب جنّتی بیبیوں کی سردار ہیں۔

عقیدہ ۹ : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دس چچاؤں میں صرف حضرت حمزہؓ اور حضرت عباسؓ ایمان لائے تھے۔ ان دونوں کے فضائل بہت زیادہ ہیں اور حضرت حمزہؓ کا مرتبہ خصوصیت کے ساتھ زیادہ ہے۔ ان کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سید الشہداء کا

خطاب دیا تھا۔ جب کہ وہ غزوۂ اُحد میں شہید ہوئے تھے اور آپ کی پانچ پھوپھیوں میں سے صرف حضرت صفیہؓ مشرف باسلام ہوئیں۔

عقیدہ نمبر ۱۰ : صحابہ کرام کے مشاجرات یعنی اُن کے باہمی جھگڑوں کا بیان کرنا حرام ہے مگر بضرورتِ شرعی و بہ نیّتِ نیک اور جن صحابہ کرام میں باہم کوئی جھگڑا ہُوا تو ہمیں دونوں فریق سے حُسنِ ظن رکھنا اور دونوں کا ادب کرنا لازم ہے۔ جس طرح دو پیغمبروں کے درمیان اگر کوئی بات اس قسم کی ہو جائے تو ہم کسی کو بُرا نہیں کہہ سکتے بلکہ دونوں پر ایمان لانا نصِ قرآنی سے ہم پر فرض ہے۔ [1]

[1] خلفائے راشدین از مولانا عبدالشکور لکھنوی



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا

اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ

قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ

دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ

(سورۃ النّور)

ترجمہ: اللہ نے تم میں سے ایمانداروں اور اچھے کام کرنے والوں کے لیے وعدہ کر لیا ہے کہ ان کو ضرور مُلک کی خلافت (حکومت) عطا کرے گا جیسا کہ ان سے پہلوں کو عطا کی تھی اور جس دین کو ان کے لیے اُس نے پسند کیا ہے ان کے لیے اُس کو ضرور مستحکم کر دے گا۔

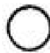
(تفسیر حقانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حق میں خلافت کی وصیت

حضرت جبیر ابن مطعم کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئی اور کسی معاملہ میں آپؐ سے گفتگو کی (یعنی یا تو اس نے کوئی مسئلہ پوچھا یا کسی حاجت کی طلبگار ہوئی) آپؐ نے اسے حکم دیا کہ وہ کسی اور وقت آپؐ کے پاس آئے (تاکہ اطمینان سے اس کی بات کا جواب دیں یا اس کی حاجت پوری کریں) اس عورت نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (میرا مکان مدینہ سے دور ہے شاید دوبارہ آنے کا موقع نہ مل سکے اس لیے بعد میں) اگر میں آئی اور آپؐ کو نہ پایا (تو پھر) کیسے بات بنے گی۔ راوی کہتے ہیں کہ اس کہنے سے اس عورت کا مقصد آپؐ کے انتقال کی طرف اشارہ کرنا تھا۔ (یعنی بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدمتِ اقدس میں اس عورت کے آنے کا یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب آپؐ مرضِ وفات میں مبتلا تھے اور اس کو خدشہ تھا کہ اگر میں کچھ دنوں بعد آئی تو شاید آپؐ اس دنیا میں موجود نہیں ہوں گے) آنحضرتؐ نے اس سے فرمایا اگر تم مجھ کو نہ پاؤ تو ابوبکرؓ کے پاس چلی جانا۔

(مظاہرِ حق، بحوالہ بخاری و مسلم شریف)



حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

مدّتِ خلافت ۱۱ھ تا ۱۳ھ مطابق ۶۳۳ء تا ۶۳۴ء دو سال

نام و نسب

آپ کا نام جاہلیت میں عبد الکعبۃ تھا۔ توفیقِ ایزدی نے آپ کو دولتِ اسلام سے مالا مال کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نام عبد اللہ رکھا تھا چونکہ بالغ مردوں میں سب سے پہلے آپ نے اسلام قبول کیا اور دیگر حضرات کی طرح اسلام قبول کرنے میں کسی طرح کی چون وچرا کو دخل نہ دیا بلکہ بلا تامّل جونہی دعوتِ اسلام دی گئی آپ نے تسلیم کر لیا۔ اسی لیے آپ کا لقب صدیق مشہور ہو گیا۔ چونکہ آپ عشرۂ مبشّرہ میں سے ہیں۔ اس لیے عتیق بھی آپ کا لقب ہے یعنی عذابِ نار سے آزاد کیا گیا۔ ابو بکر آپ کی کنیت ہے۔ آپ کے لقب صدیق اور کنیت ابو بکر نے شہرت حاصل کی ہے اور عام طور پر صدیقِ اکبر یا ابو بکر صدیق کے نام سے پکارے جاتے رہے۔ آپ کے والد کا نام عثمان تھا۔ ابو قحافہ کنیت سے مشہور تھے۔ والدہ کا نام سلمٰی تھا اور کنیت امُ الخیر تھی آپ قریش کی مشہور شاخ بنی تیم سے ہیں۔ آپ کے والدین بھی مشرف باسلام ہو چکے تھے۔ آپ کا نسب اس طرح ہے۔ عبد اللہ بن عثمان بن عامر بن عمر بن کعب بن سعد بن تیم بن مرّہ بن کعب بن لوئ القرشی التیمی۔ آپ کا نسب کعب بن مرۃ پر جاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔

ولادت

حضرت ابو بکر صدّیقؓ کی ولادت رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت

باسعادت سے تقریباً سوا دو برس بعد ہوئی۔ غالباً ۵۷۳ء میں۔ بعض نے کہا ہے کہ آپ کی پیدائش واقعہ فیل سے قریباً ڈھائی سال بعد ہوئی ہے یعنی سنہ ہجری کے آغاز سے پچاس سال چھ ماہ پہلے۔

وفات

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا وصال بتاریخ ۲۲ جمادی الاخریٰ ۱۳ھ بروز پیر مغرب و عشاء کے درمیان بعمر تریسٹھ ۶۳ سال ہوا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ وفات کی شب ہی آپ کو دفن کر دیا گیا۔ حضرت عمر بن الخطابؓ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی قبر میں آپ کے فرزند حضرت عبد الرحمنؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت طلحہؓ اترے اور انھوں نے آپؓ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں روضہ متبرک میں لٹا دیا۔

حُلیہ مبارک

آپ کا رنگ سفید تھا اور رخسار پُر گوشت نہ تھے۔ پیشانی اُبھری ہوئی تھی، ہاتھ کی انگلیوں کی جڑوں پر گوشت کم تھا، ناک کھڑی اور درمیان سے اُبھری ہوئی تھی، آنکھیں دھنسی ہوئی تھیں، پنڈلیاں تپلی تھیں، بال سفید تھے، مہندی اور کتم (ایک قسم کی بُوٹی) کا خضاب کرتے تھے۔ بڑے نرم دل اور نہایت بُردبار تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں سب سے فائق تھے۔ حیات میں آپؐ کے وزیر تھے اور آپؐ کے بعد آپؐ کے جانشین ہوئے۔ خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک خطاب آپ کے سوا کسی کے لیے استعمال نہیں ہوا۔ آپ کے بعد خلفاء امیر المومنین کہہ کر پکارے گئے۔

آپ کی ازواج و اولاد

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسلام لانے سے قبل قتیلہ بنت سعد سے نکاح کیا۔ اُن کے بطن سے آپ کے ایک صاحبزادے عبداللہ اور ایک

صاحبزادی اسماء پیدا ہوئیں۔ حضرت عبداللہ نے اپنے والد کے ایامِ خلافت میں وفات پائی۔ حضرت اسماء نے سو سال کی عمر میں نابینا ہو کر وفات پائی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسلام لانے سے قبل امِ رومان سے بھی نکاح کیا۔ اُن کے بطن سے حضرت عبدالرحمٰنؓ اور حضرت عائشہؓ زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئیں۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ کی وفات ۵۳ھ میں ہوئی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسلام لانے کے بعد اسماء بنت عمیسؓ سے نکاح کیا۔ ان کے بطن سے آپ کے صاحبزادے محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسلام لانے کے بعد حبیبہ بنت زید بن خارجہ بنت ابی زہیر خزرجی سے نکاح کیا، جن کے بطن سے آپ کی ایک صاحبزادی امِ کلثوم پیدا ہوئیں۔

ایامِ جاہلیت

آپ بڑے مال دار اور رؤسائے قریش میں تھے۔ چونکہ آپ اپنے قبیلہ بنی تیم کے سردار تھے اس لیے ملکی رواج کے مطابق قصاص کے تمام مقدمات جو آپ کے خاندان کے سپرد تھے، آپ طے کیا کرتے تھے۔ اور آپ کا فیصلہ مدعی اور مدعی علیہ دونوں کو تسلیم کرنا پڑتا تھا۔ آپ کی دانشمندی، وسعت معلومات اور معاملہ فہمی کی اس قدر شہرت تھی کہ حکومت کے دوسرے فرائض ادا کرنے والے دوسرے سردار بھی عموماً آپ سے مشورہ لینا ضروری سمجھا کرتے تھے۔ ایثار و ہمدردی اور جود و سخا کے باعث اکثر لوگ قبل از اسلام بھی آپ کے گرویدہ تھے۔ ذریعہ معاش کپڑے کی تجارت تھا، عام طور پر شام اور یمن کے ساتھ آپ کے تجارتی تعلقات تھے۔ قبولِ اسلام سے پہلے ایک دو مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بسلسلہ تجارت شام کا سفر کیا۔

قبولِ اسلام

سابقہ رفاقت کی بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک گونہ

قلبی محبت پیدا ہو گئی تھی اور چند خرق عادات کی وجہ سے نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی علو شان اور بزرگی کا اعتراف ان کے دل کے اندر گھر کر چکا تھا۔ آغازِ وحی کے زمانہ میں آپ یمن کی طرف تجارت کا مال لے کر گئے ہوئے تھے۔ اعیانِ قریش بڑے ہی مضطرب تھے اور آپ کے منتظر تھے، جب آپ تشریف لے آئے تو پورا واقعہ سنایا۔ آپ کے دل میں یہ باتیں سنتے ہی ایک تڑپ پیدا ہو گئی۔ اشتیاق نے چین نہ لینے دیا۔ اعیانِ قریش کو رخصت کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوئے۔ جنابِ سرورِ کائنات کی جونہی آپ پر نظر پڑی تو دعوتِ اسلام دی جس کو آپ نے فوراً بلا کسی تردّد و تامّل کے قبول کر لیا۔ یہ امر مسلّمہ ہے کہ بالغ مردوں میں سب سے پہلے آپ نے ہی اسلام قبول کیا اور اپنی تمام دولت اثر و قوت اور قابلیّت خالصتہً للہ خدا و رسول اور اسلام کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت طلحہؓ اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص جیسے نامور بزرگ جن کی شاندار اسلامی خدمات کی شہادت تاریخِ اسلام کا ایک ایک ورق دے رہا ہے، آپ ہی کے اثر کے باعث دولتِ اسلام سے مالا مال ہوئے۔

اسی طرح ظلم و ستم سے نجات دلانے کی خاطر کئی غلاموں کو خرید کر آزاد کیا۔ اسلام لانے کے بعد اپنے گھر کے سامنے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک مسجد بنائی اور یہ پہلی مسجد ہے جو اسلام میں بنائی گئی ہے۔ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ اسلام لائے تو علاوہ مالِ تجارت کے چالیس ہزار روپے نقد اُن کے پاس تھے، وہ سب انھوں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اور اسلام کی اشاعت میں صرف کر دیے۔ کئی بار مکہ میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں کے نرغہ سے بچایا۔ آپ کی جانثاری و جانبازی کے واقعات ان گنت ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی اور غمی، سفر و حضر کے رفیق تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ قبل از خلافت

قبولِ اسلام سے لے کر تین سال تک جنگ

کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے علانیہ تبلیغِ اسلام شروع نہیں کی تھی بلکہ پوشیدہ پوشیدہ
ہی احکامِ خدا اس کے بندوں تک پہنچاتے تھے۔ حسب الحکم جناب رسالت پناہ صلّی اللہ علیہ
وسلّم آپ بھی خفیہ طور پر تبلیغ اور خدمتِ اسلام کرتے رہے۔ اس لیے ان تین سالوں میں
دشمنانِ اسلام یعنی قریشِ مکّہ کی طرف سے ابھی تک کوئی خاص تکلیف اجتماعی طور پر مسلمانوں
کو نہیں پہنچی تھی۔ لیکن چوتھے سال جب آیت فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ
الْمُشْرِكِيْنَ (یعنی اے رسُول تم کو جو حکم دیا جاتا ہے اس کو کھلے طور پر بندوں سے
بیان کرو اور مشرکوں کی طرف سے مُنہ پھیرلو) نازل ہوئی اور آپ نے علانیہ تبلیغِ اسلام
شروع کی۔ بُتوں کی سربازار کھلے بندوں توہین و تضحیک ہونے لگی تو کفّارِ قریش کی غضب
کی آگ بھڑک اٹھی اور وہ تن من دھن کی مجموعی طاقت سے دینِ اسلام کی بیخ کنی پر آمادہ
ہوگئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اور آپ کے ہمراہی چند گنتی کے مسلمانوں پر پے درپے
ہر ممکن ایذا و تکلیف دِہ تکلیف پہنچانی شروع کی۔ چونکہ جناب صدّیق اکبر کو آنحضرت صلّی اللہ
علیہ وسلّم کی ذاتِ بابرکات سے ایک خاص عشق اور محبّت تھی اور آپ سرورِ عالم کی رفاقت
کو ایک لمحہ کے لیے بھی چھوڑنا گوارا نہ کرتے تھے۔ اس لیے ان تمام تکالیف میں جو آنحضرت
صلّی اللہ علیہ وسلّم کو پہنچائی گئیں آپ کا حصّہ برابر تھا۔

ہجرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم جُوں جُوں اعلائے کلمۃ اللہ کرتے
گئے کفّار کی ایذا رسانی شدّت پکڑتی گئی۔ آپ مسلمانوں کا یہ حال دیکھ کر دل ہی دل میں
کڑھتے اور شکرِ الٰہی بجالاتے۔ غریب مسلمانوں کو تسلّی دیتے اور ان کی امداد کرتے۔ آخر کار جب
کفّار کی سختیاں حد سے گزر جانے لگیں اور نادار مسلمانوں میں برداشت کی طاقت نہ رہی،
تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان کو مکّہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم دیا۔ جناب
صدّیق اکبر اوّل اوّل آنحضرت کی رفاقت میں ہر قسم کی سختیاں برداشت کرتے رہے مگر

آخر کار مجبور ہو گئے اور حسب الحکم رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم آپ بھی براہِ یمن حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ اسی کو ہجرتِ اوّل سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد دوسری ہجرت مدینہ منورہ کی طرف ہوئی۔ چنانچہ نبوّت کے گیارہویں اور بارہویں سال حج کے موقعہ پر چند اہلِ مدینہ جو بعد میں انصار کے معزّز لقب سے ملقّب ہوئے، اسلام قبول کرنے کے بعد مشرکین کی ایذا رسانی مسلمانوں اور آنحضرتؐ کے صبر و تحمّل کو دیکھ کر باصرار خواہش ظاہر کی تھی کہ آپ مدینہ میں تشریف لے چلیں، ان شاء اللہ العزیز ہم آپ کے بے دام غلام اور جانثار ہوں گے چنانچہ جب مسلمانوں کی غریب اور مختصر جماعت مشرکینِ مکّہ کی شدید ترین تکلیف دہی سے بے حد تنگ ہو گئی تو نبوّت کے تیرھویں سال کے اختتام پر آنحضرتؐ نے اپنے صحابہ کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم دیا اور ایک ایک کر کے چوری چھپے مسلمان دار الہجرت کی طرف جانے لگے۔ مکّہ میں صرف آنحضرتؐ جناب صدیقِ اکبرؓ اور حضرت علیؓ کے سوا کوئی نہ رہا۔ جناب صدیقِ اکبرؓ نے فراستِ ایمانی سے ہی آنحضرتؐ کے ساتھ اپنی رفاقت کا احساس کر کے ہجرت کے موقع کی تیاری کی۔ الغرض ہجرت کر کے پھر مدینہ میں چلے گئے۔ سخ نامی ایک جگہ میں خارج بن زید کے پاس قیام فرمایا۔

آپ کا استقلال

عزم و استقلال اگر دیکھنا ہو تو ہجرت کی رات کا سفر پیشِ نظر رکھیے۔ حضورؐ کے دروازے پر پہنچنے کے بعد استقلال و استقامت کا مجسّمہ، صداقت کا پیکر اور وفا و خلوص کا مخزن صدّیقؓ یہ نہیں کہتا کہ مجھے گھر اور گھر والوں کا انتظام کر نے دیجیے، اُدھر سے حکم ہوتا ہے تو ادھر سے بغیر کسی تامّل کے لبّیک کی آواز سُنائی دیتی ہے۔

رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کو انیس ۱۹ غزوات پیش آئے جن میں سب سے پہلا غزوہ بدر اور سب سے آخری غزوہ تبوک تھا۔ ان تمام غزوات میں حضرت ابوبکرؓ آپؐ کے ہمراہ رہے اور بڑی پسندیدہ خدمات انجام دیں جن میں سے چند بطورِ مثال کے درج ذیل ہیں:

غزوہ بدر

جب آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم مکّہ سے ہجرت کر کے چلے آئے اور قریش باوجود تعاقب وتلاش کے آپ کو گرفتار کر کے اپنی آرزوؤں کو پورا نہ کر سکے تو انھوں نے جنگی تیاری شروع کی اور ہر قسم کے سامانِ جنگ کے ساتھ پورے طور سے مسلّح ہو کر نبوّت کے پندرھویں سال یعنی ۲ھ میں مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی معیت میں تین سو تیرہ آدمی تھے۔ کفّار کی جمعیّت ایک ہزار تھی۔ جس وقت آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم دُعا کرتے ہوئے درگاہِ الٰہی میں سر بسجود تھے۔ جناب صدیقِ اکبرؓ نے آپ کی چادر مبارک کو آپؐ کے شانوں پر اُٹھا رکھا تھا اور عرض کر رہے تھے۔ یا رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم بس اتنی دُعا آپ کی کافی ہے۔ ان کے کہنے سے آپؐ نے سر اٹھایا تو جبریلِ امین وحی لیے ہوئے کھڑے تھے۔ سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝ یعنی ان کافروں کو عنقریب شکست دی جائے گی اور یہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائینگے۔

بدر کی لڑائی سے جب کفّار قید ہو کر آئے تو حضرت صدیقؓ نے ان کے قتل کی رائے سے اختلاف کیا اور فدیہ لے کر چھوڑنے کی رائے دی۔ آنحضرتؐ نے انہی کی رائے پر عمل کیا آیتِ قرآنی اسی پر دال ہے۔

غزوہ اُحد

غزوہ بدر کے ایک سال بعد ۳ھ میں معرضِ وجود میں آیا۔ ابھی کفّار میں بدر کی لڑائی کے انتقام کا جذبہ باقی تھا۔ اس میں تین ہزار لشکر سے مسلمانوں کا اُحد نامی پہاڑ پر جب دشمنوں سے آمنا سامنا ہُوا تو دشمن کی کثرت کو دیکھ کر حوصلے پست ہو گئے۔ عبداللہ بن اُبی منافق اپنے تین سو ہمراہیوں کے ساتھ واپس ہُوا۔ اس جنگ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے بیٹے کے مقابلے میں آنے کی اجازت طلب کی تو حضورؐ نے فرمایا تلوار کو نیام میں کر لو اور ہمیں اپنی ذات سے متمتّع ہونے دو۔ اس کے بعد گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی۔ آنحضرتؐ

بھی کسی کافر کی سنگ باری سے زخمی ہوئے۔ خبر مشہور ہو گئی کہ آپؐ قتل ہو گئے، اس سے مسلمانوں کے حوصلے اور پست ہو گئے۔ سوائے چند حضرات کے کہ ان کو پتہ نہ چلا۔ جناب حضرت صدیقِ اکبرؓ، فاروقِ اعظمؓ، عثمان غنیؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، زُبیر بن العوامؓ، ابُوعبیدہؓ بن جراحؓ، سُہیل بن حنیف، سعید بن معاذؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، ابو دجانہؓ، عامر بن ثابتؓ، وغیرہ۔ اگرچہ صحابہؓ نے آپؐ کی پُوری حفاظت کی مگر پھر بھی آپؐ کے ہونٹ مبارک پر ایک پتّھر لگا اور خُون بکثرت بہنے لگا۔ جناب صدیقِ اکبرؓ آپؐ کا خون پونچھتے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ قوم کس طرح فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کے چہرے کو خون سے رنگین کیا حالانکہ وہ ان کو ان کے رب کی طرف بلاتا ہے اور حضوؐر فرماتے تھے اے میرے رب میری قوم کو ہدایت دے دے یہ ناسمجھ ہیں۔

غزوۂ خندق

یہ لڑائی شوال ۵ھ میں ہُوئی۔ اُحد اور بدر کے واقعات نے لوگوں کے دِلوں میں مسلمانوں کا رعب بٹھا دیا تھا۔ چنانچہ دشمن نے اسلام کے استیصال پر ایک دفعہ پھر کمر باندھی اور دس ہزار کا آزمودہ کار لشکر مدینہ پر حملہ آور ہُوا۔ آنحضرتؐ نے بغرضِ مدافعت خندقیں کھُدوانی شروع کر دیں۔ مسلمانوں کی ایک فوج کا دستہ جناب صدیقِ اکبرؓ کی زیرِ نگرانی خندق کی حفاظت کے لیے مقرّر کر دیا گیا، جس نے اپنے سردار ابوبکرؓ کی ماتحتی میں پوری جانفشانی سے کام لے کر خندق کی حفاظت کی۔ جس مقام پر یہ محافظ فوجی دستہ حضرت ابوبکرؓ کی ماتحتی میں نماز ادا کیا کرتا تھا وہاں ایک مسجد تعمیر کی گئی جو صدیقِ اکبرؓ کے نام سے آج تک موجود ہے۔

صُلح حدیبیہ

۶ھ میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے صحابہؓ کے ساتھ حج بیت اللہ کا ارادہ کر کے مکّہ معظمہ کی طرف کُوچ کیا۔ قریش یہ سُن کر لڑائی کے لیے تیار ہو گئے

عروۃ بن مسعود قریش کا ایلچی بن کر آیا اس غرض سے کہ حضورؐ مرعوب ہو کر مع اپنے رفقا کے واپس ہو جائیں گے۔ عروۃ کی ان بے جا باتوں کو سن کر جناب صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ اگر بتوں کی پوجا کرنے والوں کا ارادہ جنگ کا ہے تو خدا واحد کی پرستش کرنے والے آنحضرتؐ کی رفاقت سے رُوگردانی نہیں کریں گے۔ اُس نے پوچھا یہ کون شخص ہے، آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ابوبکر بن ابی قحافہ۔ عروۃ کہنے لگا اے ابوبکر اگر تمہارے احسان میرے سر پر نہ ہوتے تو میں تم کو آج تلوار سے جواب دیتا۔ پھر وہاں ایک معاہدہ کی بنا پر صُلح نامہ تحریر کیا گیا۔ اس پر صدیقِ اکبرؓ، فاروقِ اعظمؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ کے دستخط ہوئے۔ مسلمانوں نے واپس مدینہ کا رُخ کیا۔

فتح مکّہ

۸ھ میں جبکہ صُلح حدیبیہ کو دو سال ہی گزرے تھے۔ قریش کے دلوں میں آتشِ انتقام سُلگ رہی تھی۔ انھوں نے معاہدے کو توڑا اور بنو خزاعہ کو عین حرم کے اندر بھی پناہ لینے پر قتل کیا۔ یہ دردناک خبر سُن کر حضورؐ نے جانثاروں کو تیاری کا حکم فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رکاب میں دس ہزار جانبازوں کا لشکر دیکھ کر سجدۂ شکر ادا کیا اور اس وقت کو یاد کیا جبکہ نہایت بے کسی کی حالت میں اپنے یارِ غار کے ہمراہ راتوں رات مکہ معظمہ سے نکل کر غار میں آ چھپے۔ جب لشکرِ اسلام مکّہ میں پہنچا، فتح مکّہ کے بعد جناب صدیقِ اکبرؓ اپنے والد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کو خدمتِ نبوّت میں لے آئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ان کو تکلیف دینے کی کیا ضرورت تھی میں خود ہی جاتا۔ صدیقِ اکبرؓ نے فرمایا کہ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں ان کا ہی حاضر کرنا ضروری تھا چنانچہ وہ مسلمان ہو گئے۔

جنگِ حنین

اگرچہ فتح مکہ کے بعد قریش کی مخالفت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا لیکن بعض نواحی علاقوں کے اندر کفر و شرک بدستور مستحکم تھا اور اسلام کے استیصال

پر کمر بستہ تھے۔ چنانچہ بنی ثقیف اور بنی ہوازن نے جمعیّت فراہم کر کے لڑائی کی تیاری کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان کی اس جرأت کا علم ہُوا تو آپؐ نے مکّہ سے دشمنوں کی طرف رُخ کیا۔ دشمن چونکہ پہاڑوں کے اندر چھُپے ہوئے تھے، لشکرِ اسلام تنگ درّوں سے متفرق ہو کر گزر رہے تھے اچانک دشمن نے حملہ کر دیا۔ سب بھاگ گئے سوائے صدیقِ اکبرؓ، فاروقِ اعظمؓ، اور حضرت علیؓ کے باقی صحابہ کا لشکر منتشر ہو گیا۔ رات کی تاریکی نے دشمن کو اور مدد پہنچائی۔ پھر یا معشر الانصار، یا معشر الاصحاب کی پکار پر لشکرِ صحابہ جمع ہو گیا، پھر اُنھوں نے حملہ کیا کہ دشمن کے چھکّے چھُوٹ گئے اور مسلمانوں کو فتح حاصل ہُوئی۔

سفرِ تبوک

اسلام کو جب تائیدِ ایزدی سے قوّت حاصل ہو گئی۔ ۸ھ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف ممالک کے بادشاہوں کی طرف دعوتی خطوط بھیجنے شروع کیے تو اسی دوران حاکمِ بصرہ نے آپؐ کے قاصد کو شہید کر ڈالا جس کے انتقام کیلیے ایک فوجی دستہ سرحد رُوم کی طرف روانہ ہو گیا جن کو میدانِ موتہ کے اندر افسران کی شہادت کے بعد خالد بن ولیدؓ کی قیادت میں کامیابی حاصل ہُوئی۔ حاکم موتہ نے انتقام لینے کی تیاری شروع کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دُور ہی روکنا مناسب جانا۔ کیونکہ مدینہ کے اطراف کے یہودی اور نصاریٰ ہر وقت مارِ آستین بنے رہتے تھے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیس ہزار کے لشکرِ اسلام کے ساتھ روانہ ہوئے۔ تبوک کے مقام پر پہنچ کر دیکھا کہ دشمن مقابلہ میں نہ آسکا۔ لشکرِ اسلام واپس آگیا لیکن پھر بھی ان کے سینوں کے اندر انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔ حضوؐر نے صحابہ کو خوب اسلحہ جمع کرنے کا حکم فرمایا۔ جانثاروں میں سے ہر ایک کا خیال تھا کہ مَیں بڑھ جاؤں۔ چنانچہ فاروقِ اعظمؓ نے اپنا چندہ پیش کیا تو آنحضرتؐ نے پوچھا گھر کس قدر چھوڑ کے آئے ہو؟ عرض کیا کہ اسی قدر۔ جناب صدیقِ اکبرؓ نے جب اپنا چندہ پیش کیا تو آنحضرتؐ نے پوچھا کہ اے ابوبکرؓ گھر میں کس قدر

چھوڑ کر آئے ہو۔ فرمایا کہ خدا اور رسولؐ کو چھوڑ کر آیا ہوں، یعنی کچھ نہیں چھوڑا۔ یہ سُن کر جناب فاروقِ اعظمؓ نے فرمایا کہ میں جناب صدیقِ اکبرؓ سے کبھی سبقت نہیں کر سکتا۔

اس مہم کے علمبردار اعظم جناب صدیقِ اکبرؓ ہی تھے اور ساتھ ہی لشکر کی امامت اور جائزہ کا منصب بھی جناب صدیقِ اکبرؓ کے سپرد تھا۔

وصالِ آنحضرتؐ

سنہ ۱۰ھ میں آنحضرتؐ نے آخری حج ادا فرمایا۔ واپس آنے پر تھوڑے دنوں بعد آپؐ علیل ہو گئے۔ طوالتِ علالت کی وجہ سے دوسری ازواجِ مطہرات کی اجازت پر آپؐ صرف حضرت عائشہؓ کے گھر میں رہتے تھے۔ ایک دن عین شدتِ علالت میں حضرت علیؓ اور فضل بن عباسؓ کے سہارے پر مسجد میں تشریف لائے اور فرمایا کہ اللہ نے اپنے بندوں میں سے ایک بندے کو اختیار دیا کہ وہ دُنیا اور قربِ الٰہی میں سے جس کو چاہے پسند کرے اور اس نے اللہ کے قرب کو پسند کیا۔ ان الفاظ کو سُنتے ہی جناب صدیقِ اکبرؓ نے اپنی فراستِ ایمانی سے آپؐ کی رحلت کا اندازہ لگایا۔ رو کر کہا، بل نفدیك بانفسنا وابائنا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ سوائے صدیقِ اکبرؓ کے دروازے جو صحنِ مسجد میں ہے باقی سب دروازے بند کر دیے جائیں۔ پھر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں کسی کو نہیں جانتا جو میرے نزدیک رفاقت میں احسانات کے اعتبار سے ابوبکرؓ سے افضل ہو۔ اس کے بعد آپؐ نے جُملہ حاضرین کو نصائح سے مستفید فرمایا، منبر سے نیچے تشریف لائے اور جناب صدیقِ اکبرؓ سے نماز کی امامت کا ارشاد فرمایا۔ جناب صدیقِ اکبرؓ نے آنحضرتؐ کی حیات میں سترہ نمازوں کی امامت کرائی۔

دوشنبہ کی صبح کو جب صدیقِ اکبرؓ نماز پڑھا رہے تھے۔ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، لوگوں کو معلوم ہو گیا اور جناب صدیقِ اکبرؓ بھی اس خیال سے کہ رسولِ کریمؐ تشریف لے آئے ہیں پیچھے ہٹنے لگے مگر آنحضرتؐ نے فرمایا صَلِّ بالنَّاس

یعنی نماز پڑھاؤ اور خود آنحضرتؐ نماز کے لیے دائیں جانب بیٹھ گئے۔ اس کے بعد حضورؐ نے ایک وعظ بھی فرمایا۔ تقریباً چاشت کے وقت اللھم فی الرفیق الاعلیٰ فرماتے ہوئے ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ پیر کے دن محبوبِ حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون وفات کے وقت جناب صدیقِ اکبرؓ باہر تھے۔ اُن کو آنحضرتؐ کی رحلت کی خبر سالم بن عُبید نے مدینے کے قریب مقام سخ میں دی۔ جناب صدیقِ اکبرؓ اندر تشریف لائے۔ آنحضرتؐ کے چہرہ مبارک سے چادر ہٹا کر روتے ہوئے کہا۔ میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں۔ آپؐ کی زندگی اور موت دونوں پاک ہیں۔ جو موت اللہ نے آپؐ کے حق میں لکھ دی تھی اس کا مزہ آپؐ نے چکھ لیا۔ اب اس کے بعد کبھی بھی وفات نہیں پائیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر جناب ابُوبکرؓ کی تقریر

اے لوگو! جو شخص محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو پُوجتا تھا وہ جان لے کہ محمدؐ نے وفات پائی اور جو کوئی اللہ کو معبود مانتا تھا تو وہ جان لے کہ خدا تعالیٰ زندہ ہے اور وہ کبھی نہیں مرے گا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ محمدؐ صرف ایک رسُول ہیں۔ ان سے پہلے بھی رسُول گزر چکے ہیں۔ اگر وُہ مَر جائیں گے یا قتل کر دیے جائیں گے تو کیا تم دینِ الٰہی سے انحراف کر لو گے۔ یاد رکھو کہ جو شخص برگشتہ ہو جائے گا۔ وہ خدا کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا اور اللہ تعالیٰ شکر گزار بندوں کو جزائے خیر دے گا۔ آپؓ کی یہ تقریر سُن کر تمام لوگ چُپ ہو گئے۔

خلافت

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بروز یک شنبہ بتاریخ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ مطابق ۹ جُون ۶۳۲ئہ کو وصال فرمایا۔ انصار نے آپؐ کی تجہیز و تکفین سے قبل ہی خلافت کے لیے جدّ و جُہد شروع کر دی جبکہ مہاجرین کے دلوں میں خلافت کا خیال تک نہ تھا انصار نے سقیفہ بنی ساعدہ میں ایک جلسے کا اہتمام کیا اور اپنے سردار سعد بن عبادہ کو بخار

کی حالت میں وہاں لے کر آئے کہ ان کے ہاتھ پر بعیت کریں گے۔ اِسی اثنار میں ایک آدمی نے آکر مسجد نبویؐ کے اندر انصار کے ارادے سے مطلع کیا اور کہا کہ اگر اُمتِ محمدیؐ کو آتشِ فساد سے محفوظ رکھنا چاہتے ہو تو یہ وقت ہے۔ یہ سُن کر جناب صدیقِ اکبرؓ اور عُمرِ فاروقؓ انصار کے جلسہ کے اندر تشریف لے گئے، وہاں پہنچے تو حضرت سعد بن عبادہؓ تقریر کر رہے تھے۔ ان کے علاوہ چند اور انصار نے بھی تقریریں کیں۔ ان سب کا موضوع اور لُبِّ لُباب یہ تھا کہ انصار کے فضائل بیان کر کے استحقاقِ خلافت ثابت کرنا تھا۔ تو حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے اس نظمِ خلافت کو آتشِ فتنہ و فساد سے بچانے کے لیے مسئلہ خلافت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین پر مقدم کیا اور ہونا بھی یہی چاہیے تھا (جیسا کہ آئندہ صفحات میں ہم بیان کریں گے) چنانچہ یہ دونوں حضرات اور بعد میں پھر اور مہاجرین بھی وہاں پہنچے۔ حضرت ابوبکر صدیق کی تقریر ہوئی۔

سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکرؓ کی تقریر

حضرت ابوبکرؓ نے حمد و ثنار کے بعد کہا۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو اُمت کی ہدایت کے لیے بھیجا کہ وہ صرف اللہ کی عبادت کریں۔ مشرکین اللہ کے سوا بُتوں کو پُوجتے تھے۔ حالانکہ اُن کے یہ بُت پتھر یا لکڑی کے تراشے ہوئے ہوتے تھے۔ اس عقیدہ کی بنار پر اُنھیں باپ دادا کا دین چھوڑنا گوارا نہ تھا۔ دربارِ ایزدی سے سب سے پہلے مہاجرین کے لیے توفیق مقدر ہوئی کہ انھوں نے آنحضرتؐ کی تصدیق کی۔ باوجودیکہ کفارِ مکہ نے انھیں طرح طرح کی اذیتیں دیں مگر انھوں نے دامنِ رسالت کو ترک نہیں کیا۔ مہاجرین وہ لوگ ہیں جنھوں نے سب سے قبل اللہ کی عبادت کی۔ اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے اور رسُولؐ کے مددگار تھے اور آپؐ کا کنبہ تھے۔ ایسلیے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کے سب سے زیادہ حق دار وہی ہو سکتے ہیں۔ اس معاملہ میں نزاع وہی شخص کرے گا جو کہ عادل اور منصف مزاج نہ ہوگا۔ اے جماعت انصار!

دین کے معاملہ میں تمھاری فضیلت مسلّم ہے مگر ایمان لانے میں تم نے سبقت نہیں کی تھی ۔ اللہ تعالیٰ تم سے اس لیے خوش ہے کہ تم نے اُس کے دین کی حمایت کی تھی اور رسُولؐ نے ہجرت کر کے تمھارے ہاں قیام فرمایا تھا اور تم لوگوں میں ازواجِ مطہرات تشریف لائی تھیں مہاجرین کے سوا تمھارے مرتبہ کو اور کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ اس لیے ہم وزیر ہوں گے اور تم ہمارے وزیر۔ ہم تمھارے مشورے کے بغیر کوئی کام نہیں کریں گے ــــ بالآخر سب کا حضرت صدیقِ اکبرؓ پر اتفاق ہو گیا، ان کے دستِ حق پرست پر بیعت کر لی۔ ممدوح الصدر اصحاب کی گفتگو سُنتے ہی حضرت بشیر بن سعد انصاریؓ نے سبقت کی اور جناب صدیقِ اکبرؓ سے بیعت کر لی۔ اس کے بعد جناب فاروقِ اعظمؓ اور حضرت ابُو عبیدہؓ نے بیعت کر لی۔ ان ہر سہ حضرات کا بیعت کرنا تھا کہ تمام اختلافات مٹ گئے اور حاضرین جوق در جوق بیعت کرنے لگے۔ اور جونہی اس بیعت کی خبر باہر پہنچی۔ اہلِ مدینہ آئے اور بیعت کرنے لگے ــ بیعت کے بعد جلسہ ختم ہُوا اور جناب صدیقِ اکبرؓ بلا اختلاف خلیفۃ الرسول منتخب ہو گئے دوسرے روز بروز منگل عامۃ الناس مسجدِ نبویؐ میں جمع ہوئے۔ جملہ اصحاب کبار مہاجر و انصار موجود تھے۔ حضرت فاروقِ اعظمؓ نے ایک مختصر تقریر کی اور اس تقریر میں انھوں نے یہ بھی کہا کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیقِ غار جناب صدیقِ اکبرؓ ہم میں موجود ہیں اور وہ آنحضرتؐ کی جانشینی کے ہر طرح لائق ہیں۔ پس اب آپ لوگوں کے لیے لازم ہے کہ ان کی بیعت کریں۔

بیعت کے بعد صدیقِ اکبرؓ کی تقریر

جب جُملہ اصحابِ رسُولؐ نے حضرت ابوبکرؓ کے دستِ حق پرست پر بیعت کر لی تو آپ نے منبر پر بیٹھ کر تقریر فرمائی لوگو! مَیں تمھارا امیر بنایا گیا ہوں، مَیں تم سے بہتر نہیں ہوں، اگر مَیں اچھے کام کروں تو تم میری امداد کرنا اور اگر مَیں کوئی غلطی کروں تو تم میری اصلاح کر دینا۔ یاد رکھو، کہ

صداقت امانت کی علامت ہے اور کذب خیانت کی علامت ہے۔ تم میں سے جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک طاقتور ہے جب تک میں اس سے کمزور کا حق نہ دِلادوں۔ اور طاقتور میرے نزدیک کمزور ہے جب تک میں طاقتور سے کمزور کا حق نہ دِلادوں۔ تم میں سے کوئی شخص ترکِ جہاد کا مرتکب نہ ہو۔ کیونکہ جس قوم نے جہاد ترک کیا اللہ نے اُسے ذلیل و رُسوا کر دیا۔ لوگو! جب تک میں اللہ اور اُس کے رسُولؐ کی اطاعت کروں تم لوگ میری اطاعت کرنا۔ اور اگر میں اللہ اور اُس کے رسولؐ کے احکام کی خلاف ورزی کرنے لگوں تو ہرگز میری اطاعت نہ کرنا۔ اگر تم نماز ادا کرتے رہوگے تو اللہ تم پر رحم فرماتے رہیں گے۔
حضرت ابوبکرؓ کی تقریر کس قدر جامع، واضح اور فصاحت و بلاغت سے پُر ہے۔ اس میں عدل کی تعلیم بھی ہے اور تواضع و مہربانی کی تعلیم بھی ہے۔ اس میں اللہ کے دین کے لیے مدد کی ترغیب بھی ہے اور مسلمانوں کی سربلندی کا اظہار بھی ہے۔

آنحضرتؐ کی تدفین سے قبل مسٔلہ خلافت تقاضاعقل ضروری تھا

اس لیے کہ تجہیز و تکفین میں دیر ہونے سے عام مردوں کی طرح جسمِ مقدس میں (نعوذ باللہ) کسی قسم کی خرابی پیدا ہونے کا اندیشہ نہ تھا البتہ خلافت کا کام بگڑ جاتا۔ اور اگر کوئی ایسا شخص خلافت کے لیے منتخب ہو جاتا جس میں سیاسی قابلیت اور رُوحانی قوت اس درجہ کی نہ ہوتی تو اس کی اصلاح ناممکن تھی اور جو فتنے ارتداد کے پیش آتے ان میں اسلام کا رہ جانا بظاہر ناممکن تھا۔ پھر ایک بات یہ بھی تھی کہ رسُولؐ کی تجہیز و تکفین جیسے عظیم الشان کام کا بغیر کسی خلیفہ کی سرکردگی کے انجام پانا ہزاروں خرابیوں کا سبب بنتا مثلاً نمازِ جنازہ کے متعلق اختلاف ہوتا۔ کچھ لوگ جنازہ مبارک کو حجُرہ سے باہر پڑھنا چاہتے تھے اور اس میں جو قیامت برپا ہوتی وہ ظاہر ہے۔ کوئی آپؐ کو دیکھنا چاہتا، کوئی روتا، کوئی بے ہوش ہو جاتا، عورتوں اور بچوں کا بھی ہجوم ہو جاتا اور خدا جانے کیا کیا ہوتا پھر

مقامِ دفن میں اختلاف ہُوا کہ مکّہ میں لے جاکر دفن کریں جو آپؐ کا مولد ہے یا ملک شام میں جو حضرت ابراہیمؑ کا مدفن ہے یا جنّۃ البقیع میں جو عام قبرستان ہے۔ اگر کوئی خلیفہ نہ ہوتا تو ان اختلافات کا فیصلہ کون کرتا۔ اب چونکہ حضرت صدیقؓ خلیفہ ہو گئے تھے لہٰذا انھوں نے فیصلہ کر دیا کہ نمازِ جنازہ حجُرہ کے اندر ہوگی۔ دس دس آدمی اندر جائیں نماز پڑھ کر باہر آجائیں اور تنہا تنہا نماز پڑھیں۔ نبی کے جنازہ پر کوئی امام نہیں بن سکتا وہ خود امام ہیں۔ اور مقامِ دفن کے لیے حضرت صدیقؓ نے ایک حدیث پڑھی کہ انبیاءِ علیہم السلام کی روحِ پاک جہاں قبض کی جاتی ہے وہیں اُن کی قبرِ مبارک ہونی چاہیئے۔ لیجئے سب اختلافات بآسانی رفع ہو گئے۔

آنحضرتؐ کے بعد سب سے افضل شخصیّت ابوبکرؓ ہیں

آنحضرتؐ کے بعد سب سے افضل حضرت ابوبکر صدّیقؓ ہیں۔ شیعہ اور معتزلہ ضالہ کے ہاں تمام صحابہؓ سے افضل حضرت علیؓ کی شخصیّت ہے مگر ان میں سے کثیر تعداد میں لوگ حضرت علیؓ سے قبل خلفاءِ ثلاثہ کو بھی برحق تسلیم کرتے ہیں کیونکہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ افضل کے ہوتے ہوئے بھی مفضول کی امامت جائز ہے۔

حضرت علیؓ کی افضلیّت کی دلیل وہ لوگ یہ پیش کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے جنابِ صدیقِ اکبرؓ سے جہاد زیادہ کیے ہیں۔ بنا برایں حضرت علیؓ ہی سب سے افضل ہیں اور استدلال میں حسبِ ذیل آیت پیش کرتے ہیں وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کو ان لوگوں پر فضیلت دی ہے جو جہاد میں شریک نہیں ہُوئے اور مجاہدین کے لیے اجرِ عظیم ہے۔

جماعت اہلِ سُنّت والجماعت اس استدلال کا جواب یہ دیتے ہیں کہ جہاد کی دو قسمیں ہیں۔ ایک لوگوں کو دعوتِ اسلام دینے کا جہاد اور دوسرا جہاد بالسیف ہے،

اور یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے۔ ابتدا ر اسلام میں دعوتِ اسلام دینے کا جہاد حضرت ابو بکرؓ نے سب سے زیادہ کیا تھا چنانچہ آپ ہی کی دعوتِ اسلام پر حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعدؓ، حضرت سعیدؓ، حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ اسلام لائے۔ اور حضرت علیؓ نے جہاد بالسیف اُس وقت کیا جب اسلام کو قوت حاصل ہو چکی تھی لہٰذا جہاد بالسیف کے مقابلہ میں جہاد بالدعوت زیادہ افضلیت کا حامل ہے۔ افضلیتِ ابو بکرؓ کی دلیل آنحضرتؐ کا یہ فرمان ہے۔ ما طلعت الشمس ولا غربت علی احد بعد النبیین والمرسلین افضل من ابی بکرؓ یعنی نبیوں اور رسولوں کے بعد کسی اور ایسے شخص پر آفتاب کا طلوع و غروب نہیں ہُوا جو ابو بکرؓ سے افضل ہو۔

اور ابو بکرؓ کا صدیق ہونا احادیثِ صحیحہ اور مہاجرین اور انصار کے اتفاق سے ثابت ہے اور علیٰ ہذا ائمہ اہلِ بیت کے بے شمار اقوال سے ابو بکرؓ کا صدیق ہونا ثابت ہے اور حضرت علیؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں بر سرِ منبر بارہا ابو بکرؓ کا صدیق ہونا بیان فرمایا۔

لہٰذا ثابت ہُوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت بلا فصل کے مستحق ابو بکر صدیقؓ ہیں اور انہی کے دستِ حق پرست پر تمام مہاجرین و انصار نے دل و جان سے بیعت کی۔ لہٰذا خلافتِ صدیقؓ بلا فصل ایک ثابت شدہ حقیقت ہے جس کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

محمد بن علیؓ ابن ابی طالب کہتے ہیں کہ مَیں نے اپنے والد محترم حضرت علیؓ سے دریافت کیا کہ رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں کون افضل ہے۔ انھوں نے فرمایا ابُو بکرؓ۔ مَیں نے کہا پھر، انھوں نے فرمایا عمرؓ۔ اس کے بعد مَیں ڈرا کہ اب آپ (حضرت) عثمانؓ کا نام لیں گے۔ پس مَیں نے کہا کہ اس کے بعد آپ افضل ہیں تو آپ نے فرمایا کہ مَیں تو مسلمانوں میں سے ایک فرد ہُوں یعنی ایک معمولی مسلمان ہُوں۔

احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ خیر اُمت ہیں، ذہبی کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے یہی مرتبہ فرمایا ہے۔ ترمذی اور حاکم نے بیان کیا ہے کہ عمرؓ بن خطاب فرماتے ہیں کہ ابوبکرؓ ہمارے سردار، ہم میں سب سے بہتر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ (تاریخ الخلفاء بحوالہ ترمذی)

واقعاتِ عہدِ خلافت

جیشِ اسامہ کی روانگی

چہارشنبہ ۱۴ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ مطابق ۱۱ جون سنہ ۶۳۲ء کو ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جبکہ علالت کم تھی حضرت اسامہؓ کی سرکردگی میں تین ہزار کا ایک لشکر روم کی طرف بھیجنے کا قصد کیا تھا لیکن علالت کے باعث آپ کا لشکر ابھی روانہ نہ ہونے پایا تھا کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ حضرت صدیقِ اکبرؓ نے خلیفہ ہونے کے بعد ۱۴ ربیع الاول کو اس لشکر کو تیاری کا حکم فرمایا اور یہی سب سے پہلا حکم تھا جو کہ آپ نے زمانۂ خلافت میں دیا تھا۔ ابھی لشکرِ اسامہ کی تیاری ہو ہی رہی تھی کہ وفاتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر جوانب و اطراف میں مشہور ہو گئی۔ قبائلِ عرب، یہود و نصاریٰ کے مرتد ہونے کی خبریں لگاتار مدینہ میں موصول ہونے لگیں، جس کے نتیجہ میں مدینہ کے اندر ایک اضطراب پیدا ہو گیا۔ صورتِ حال کی نزاکت کو دیکھ کر صحابہؓ نے جناب صدیقِ اکبرؓ کو مشورہ دیا کہ عرب کی حالت ان اطلاعات کے پیشِ نظر جو روزانہ موصول ہو رہی ہیں، مدینہ سے باہر کسی لشکر کو بھیجنا خلافِ مصلحت ہے لیکن حضرت ابوبکرؓ نے بڑی شدت کے ساتھ جواب دیا کہ اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں ابوبکرؓ کی جان

ہے اگر مجھے یہ خطرہ بھی ہو کہ درندے مجھے چیر پھاڑ ڈالیں گے تب بھی میں رسُول اللہؐ کے حکمِ مبارک کی تعمیل کروں گا اور جیش اسامہ کو ضرور روانہ کروں گا۔

حضرت اسامہ کی قیادت پر بھی لوگوں کو اعتراض تھا ان کی صغر سنی کی وجہ سے، کیونکہ اُس وقت وہ بیس سال سے بھی کم عمر کے نوجوان تھے۔ اس کا جواب حضرت ابوبکرؓ نے یہ دیا کہ اگر تمھیں اسامہ کے امیرِ لشکر بنانے پر اعتراض ہے تو یہ کوئی نئی بات نہیں کیونکہ تم نے اس سے قبل اُن کے والد کے امیر بنانے پر اعتراض کیا تھا۔ خدا کی قسم وہ امیر ہونے کے قابل تھے اور خدا کی قسم حضرت اسامہؓ ان کے بعد میرے نزدیک محبوب ترین شخص ہیں۔

پھر حضرت ابوبکر صدّیقؓ باہر نکلے اور جیش اسامہ کی صفوں کا معائنہ کرنے لگے تو حضرت ابوبکرؓ نے امیرِ لشکر حضرت اسامہؓ سے درخواست کی کہ اگر آپ مناسب خیال فرمائیں تو حضرت عمرؓ کو میری مدد کے لیے میرے پاس ہی چھوڑ دیں۔ اس کا مطلب یہ ہُوا کہ آپ نے سپہ سالار فوج حضرت اسامہؓ سے اجازت چاہی کہ وہ حضرت عمرؓ کو ان کے پاس رہنے دیں کیونکہ وہ بھی فوج میں شامل تھے۔ حضرت اسامہؓ کی جانب سے اجازت مل گئی۔ حضرت ابوبکر صدّیقؓ نے اس لشکر کو مدینہ کے قریب ہی مقامِ جرف سے روانہ کیا تھا۔

حضرتِ ابوبکرؓ کا جیشِ اسامہؓ کو خطاب

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فوج کو درج ذیل نصائح سے مستفید فرمایا۔ اے لوگو! میں تمھیں دس نصیحتیں کرتا ہوں ان پر عمل کرنا:

۱۔ خیانت نہ کرنا ۲۔ دھوکہ نہ دینا
۳۔ عہد شکنی نہ کرنا ۴۔ دشمن کے مُردے کو مسخ نہ کرنا

یعنی اس کے ہاتھ پاؤں ناک کان وغیرہ نہ کاٹنا۔

۵۔ کسی چھوٹے بچے کو، بوڑھے شخص کو اور عورت کو قتل نہ کرنا۔

۶۔ کسی درخت کو نہ کاٹنا، نہ جلانا، کسی پھل دار درخت کو نہ کاٹنا۔

۷۔ کسی بکری، گائے اور اونٹ کو ذبح نہ کرنا۔
۸۔ تم ایسے لوگوں کے پاس جاؤ گے جو اپنی عبادت گاہوں میں عبادت کرتے ہوں گے انھیں اُن کے حال پر چھوڑ دینا۔
۹۔ تم ایسے لوگوں سے ملو گے جو تمھارے لیے انواع و اقسام کے کھانے اپنے برتنوں میں لے کر آئیں گے وہ کھانے کھاؤ تو بسم اللہ کہہ کر تھوڑا تھوڑا کھانا۔
۱۰۔ تم ایسے لوگوں سے ملو گے جنھوں نے اپنے سر کا درمیانی حصہ منڈا رکھا ہوگا، اور چاروں طرف لٹیں چھوڑ رکھی ہوں گی۔ اُنھیں تلوار سے قتل کر دینا۔ اب اللہ کے نام پر روانہ ہو جاؤ۔ تلک عشرۃ کاملۃ۔

اس تقریر کے جواب میں سمعنا و اطعنا کی آوازیں مشترکہ طور پر بلند ہوئیں اور لشکرِ اسلام روانہ ہو گیا اور آپ نے مدینہ کی طرف مراجعت فرمائی۔ اس حالت میں جبکہ سارا عرب مُرتد ہو رہا تھا اور مدینہ پر حملہ آور ہونے کی دھمکیاں مل رہی تھیں لشکرِ اسلام کی روح کی طرف روانگی کے باعث دشمن، قبائل عرب میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں اور بعض خود بخود مرعوب ہو گئے کہ اگر مسلمانوں میں طاقت نہ ہوتی تو اس حالت میں لشکرِ اسلام کی روانگی عمل میں نہ آتی۔

عرب میں مدّعیانِ نبوّت

فتح مکّہ کے بعد سنہ ۹ھ میں مختلف علاقوں سے لوگ خود بخود آکر دربارِ نبوی میں مسلمان ہو رہے تھے۔ اس دور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی کامیابی دیکھ کر تین چار شخص ایسے بھی اُٹھ کھڑے ہوئے جنھوں نے نبوّت کا دعویٰ کر دیا۔ اپنی لسانی اور لفّاظی سے کام لے کر تھوڑی بہت کامیابی حاصل کر کے آتش فساد مشتعل کر دی۔ ان میں سے ایک کا نام اسود عنسی تھا جو یمن کے شہر صنعاء کا رہنے والا تھا۔ دُوسرا مدّعیٔ نبوّت طلیحہ بن خویلد اسدی تھا۔ یہ پے در پے شکستوں اور ناکامیوں سے

تباہ وخستہ ہو کر آخر کار حضرت عمرؓ کے عہد میں مسلمان ہو گیا اور اسلام کی شاندار خدمات ادا کیں۔ باقی کذاب اپنے کُفریہ کردار کو پہنچے۔ یہ ایک مشہور بہادر اور تیغ زن سپہ سالار تھے۔ تیسرا مدّعیٔ نبوّت مسیلمہ کذّاب یمنی تھا اور چوتھی مدعیہ نبوّت سجاح بنت حارث تھی۔ کذاب نبی مسیلمۃ الکذاب کی بیوی تھی چنانچہ بعض سادہ لوح عربوں کو دھوکہ دینے کی غرض سے قرآن جیسی آیات بنانے کی ناکام کوشش کی اور حیرت انگیز اور مضحکہ خیز عبارتیں بنائیں اور بعض نے اس کے ساتھ جادو کے کچھ کرشمے اور شعبدے بھی دکھائے۔ مگر وہ سب ذلیل وخوار ہوئے اور ان کا مکر وفریب ظاہر ہو گیا۔ ان خرافات کے علاوہ ان نے حرام چیزوں کو حلال کر دیا اور عیش وعشرت میں لگ گئے مگر بالآخر وہ سب ناکام رہے اور حضرت ابوبکر صدّیقؓ کی عقل دانائی اور مرتدین سے جنگ کرنے کی برکت سے وہ تمام قبیلے اسلام لے آئے۔

عہدِ صدیقی کے کارنامے

کارنامہ اوّل :

جب مدعیانِ نبوت اور مرتدین کے قاصد خلافت وحکومت کی تقسیم اور صدقات و زکوٰۃ کی معافی کے لیے دربارِ خلافت میں آئے اور ان کی درخواستوں کو نہ منظور کرنے کی صورت میں حملہ کی دھمکیاں دی گئیں۔ جناب صدیقِ اکبرؓ نے اکابر صحابہ کرام سے مشورہ طلب کیا۔ سب نے بالاتفاق صورتِ حال کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے یہی مشورہ دیا کہ ایسی حالت میں تالیفِ قلوب کرنی چاہیئے۔ کیونکہ مدینہ خالی از لشکر ہے۔ جیشِ اسامہؓ بھی روانہ ہو چکا ہے لہٰذا نرمی ہی کا برتاؤ کرنا واجب ہے۔ اس مشورہ کی سماعت کے بعد جناب صدیقِ اکبرؓ نے فرمایا کہ دینِ الٰہی کمال تک پہنچ گیا ہے اور سلسلۂ وحی منقطع ہو چکا ہے۔

احکامِ شرع میں ذرہ برابر تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ خدا کی قسم! اگر فرض زکوٰۃ میں سے ایک رسّی کا ٹکڑا بھی دینے سے لوگ انکار کریں گے تو میں اُن سے قتال کروں گا۔ آپ کے اس اولوالعزمانہ جواب کو سُن کر تمام اصحاب خاموش ہو گئے۔ اور آپ نے تمام مرتدین کے قاصدوں کو ناکام واپس کر دیا اور تمام لوگوں کو مسجدِ نبویؐ کے اندر جمع کر کے حکم دیا۔ کہ ملک کی صورتحال تمھارے سامنے ہے۔ دشمن نے گھیر رکھا ہے اور ان کے قاصد تمھیں بے سروسامانی کی حالت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ گئے ہیں۔ تمھاری قلت بھی ان کو نہیں بھولے گی۔ اس لیے بہتر ہوگا کہ تم لوگ دین کی حفاظت کے لیے ہر وقت مسلح رہو۔ دشمن قریب ہے۔ خدا جانے کس وقت حملہ کر بیٹھے۔ سب نے سمعنا و اطعنا کہتے ہوئے گردنیں نیچے کر لیں اور اسلام پر جان نثار کرنے کے لیے بالکل تیار ہو گئے۔ اس کے بعد آپ نے شہر کے مختلف حصّوں پر حفاظتی دستے روانہ کر دیے جن کے افسر حضرت علیؓ، طلحہؓ، زُبیرؓ، خالدؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ مقرر ہوئے۔

مدینہ منوّرہ پر حملہ

قاصدوں کی ناکام واپسی کے تیسرے دن بعد دشمنوں نے مدینہ منورہ پر حملہ کر دیا۔ جس کو محافظوں نے پوری قوت سے روکا۔ اسی اثناء میں جناب صدیق اکبرؓ اہلِ مدینہ کی جمعیت کے ساتھ موقع پر پہنچ گئے اور اس شدت کے ساتھ دشمن پر حملہ کیا کہ ان کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ دشمن نے اپنی فطرتی چالاکی سے کام لے کر مسلمانوں کے اونٹوں کو بھگا دیا جس سے مخالفین کے حوصلے اور زیادہ بڑھ گئے۔ آنحضرتؐ کو ان مدعیانِ نبوت کے حالات کی اطلاع ملی تو آپؐ نے نہایت ہی ملاطفت کے ساتھ سمجھایا اور توبہ کرنے کی ہدایت فرمائی مگر کچھ اثر نہ ہُوا۔ جس قدر آنحضرتؐ کی جانب سے نرمی کی جاتی تھی اُسی قدر اُن کے حوصلے بڑھتے جاتے تھے۔ بالآخر انھوں نے مسلمانوں کے اوپر دستِ تعدی دراز کیا اور مقاتلہ کا سلسلہ شروع کر دیا۔

جنابِ صدیقِ اکبرؓ کا مُرتدوں کے پاس تبلیغی جماعتوں کو روانہ کرنا

شعبان ۱۱ھ مطابق اکتوبر ۶۳۲ء میں جب اسامہؓ ابن زید کا لشکر آرام کر چکا اور ان کو صدقات و تبرعات بھی کافی مل چکے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے قائدینِ ذیل کی سرکردگی میں مندرجہ ذیل مقامات کی طرف عَلم دے کر وفود روانہ کیے۔ چنانچہ آپ نے گیارہ عَلم تیار فرمائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے قائدینِ ذیل کو مُرتدوں کی سرکوبی کے لیے منتخب کیا تھا اور ہر ایک کے ہاتھ میں جھنڈا دیا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان تمام عربوں کی سرزنش کے لیے وفد بھیجے گئے جو مُرتد ہو گئے تھے سوائے قریش اور بنو ثقیف کے۔

(۱) خالد بن ولیدؓ کو اولاً طلیحہ بن خویلد اسدی کی طرف۔ جب وہاں سے فارغ ہو چکے تو مالک بن نویرہ کی اصلاح کی غرض سے بطاح کی طرف روانہ ہوئے۔

(۲) عکرمہؓ بن ابوجہل مسیلمہ کذاب کی طرف۔

(۳) مہاجر ابو امیہؓ کو اسود عنسی کے لشکر کے مقابلہ کے لیے اور قیس بن مکشوح کے خلاف انبار کی مدد کے لیے بھیجا گیا۔

(۴) خالد بن سعیدؓ کو شام کی سطحِ مُرتفع کی طرف بھیجا۔

(۵) عمرو بن عاصؓ کو قضاعة اور ودیعة کی طرف بھیجا گیا۔

(۶) حُذیفہ بن محصنؓ غلفانی کو اہلِ دبا کی طرف بھیجا گیا۔

(۷) عرفجہ بن ہرثمہؓ کو مہرہ کی طرف بھیجا گیا۔

(۸) شرجیل بن حسنہؓ کو عکرمہ بن ابوجہل کے پیچھے بھیجا اور جب وہ یمامہ سے فارغ ہوئے تو اپنے لشکر کو لے کر قضاعة سے جا ملے۔

(۹) معن بن حاجر کو بنو سلیم اور ان کے ساتھی بنو ہوازن کی طرف بھیجا گیا۔

(۱۰) سوید بن مقرنؓ کو یمن میں تہامہ کی طرف بھیجا گیا۔

(۱۱) علاء بن حضرمیؓ کو بحرین کی طرف بھیجا گیا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا قائدین سے عہد لینا

جناب صدیقِ اکبرؓ نے ہر قائد سے روانہ ہوتے وقت یہ عہد لیا کہ وہ مرتدوں سے جنگ کرے گا اور اپنے تمام کاموں میں اللہ سے ڈرے گا۔ خواہ وہ کام پوشیدہ کرے یا علانیہ۔ اس عہدنامہ کی رُو سے ہر قائد پابند تھا کہ وہ اشاعتِ اسلام میں پوری طرح کوشش کرے اور مرتدوں کو اسلام لانے کی دعوت دے۔ اگر وہ دوبارہ اسلام لے آئیں تو اُن سے قتال نہ کرے ورنہ قتال کیا جائے۔ پھر وہ اُنھیں نفع و نقصان سے آگاہ کرے اور انھیں نقصان سے بچائے۔ بھلائی کی راہیں ہموار کرے۔ مرتدوں کو نافرمانی کا موقع نہ دے اور مسلمانوں کو دشمنوں کے ساتھ قتال کرنے سے نہ روکے۔ جو شخص اسلام لے آئے اُسے تسلیم کرلے اور اس کے ساتھ نیک سلوک کا برتاؤ کرے۔ کافروں کے ساتھ اس غرض کے پیشِ نظر قتال کرے کہ وہ اسلام لے آئیں اور اسکی باطنی حالت کو اللہ پر چھوڑ دے۔ اسلام کے سوا اُس سے کوئی چیز منظور نہ کرے بلکہ ہتھیاروں کو اُس کے خلاف استعمال کرے۔ مسلمانوں میں مالِ غنیمت تقسیم کرے اور خمس بیت المال میں جمع کرائے اور جو شخص اسلام لے آئے اُس کی اچھی طرح پڑتال کریں کہیں وہ مرتدوں کا جاسوس نہ ہو۔ نیز مسلمانوں کو نرمی اور خوش اخلاقی کی ہدایت کرے۔

جنگِ یمامہ

۱۱ھ کے آخر اور ۶۳۳ء کی ابتدا میں یہ لڑائی معرضِ وجود میں آئی۔ حضرت خالد بن ولیدؓ یمامہ میں مسیلمہ کذاب کے متبعین سے جو مرتد ہو چکے تھے جہاد کر رہے تھے۔ یمامہ جزیرۃ العرب کے وسط میں مشرقی سمت میں قبیلہ بنو حنیفہ کا وطن ہے اس کی مشرقی سمت بحرین اور بنو تمیم سے ملتی ہے۔ مغربی سمت اطراف یمن و حجاز سے ملتی ہے۔ اس کی جنوبی سمت میں نجران اور جانب شمال میں مُلک نجد واقع ہے۔ یمامہ کا طول

۲۴۰ میل ہے۔ یہ جگہ مکہ سے چار دن کی مسافت پر واقع ہے۔ یہ زرعی اور نخلستانی علاقہ ہے
مسیلمہ کذاب کی جنگجو فوج کی تعداد چالیس ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ انہی کی سرکوبی کے لیے حضرت
خالد بن ولیدؓ روانہ ہوئے تھے۔ چنانچہ ابتداءً حضرت عکرمہ بن ابوجہل جو ایک شوخ مزاج
اور جانباز مجاہد تھے۔ مسیلمہ کذاب کے مقابلہ میں بھیجے گئے تھے مگر انھوں نے جلد بازی کی وجہ
سے مسیلمہ کذاب سے شکست کھائی۔ جب حضرت عکرمہ کی شکست کی خبر دربارِ خلافت میں پہنچی
تو جناب صدیقِ اکبرؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو جو طلیحہ کے مقابلہ میں کامیابی حاصل کرکے
امن و انتظام بحال کرنے میں مصروف تھے فوراً مسیلمہ کذاب کے مقابلہ میں گوشمالی کا حکم دیا۔
چنانچہ سپہ سالارِ اعظم حضرت خالد بن ولیدؓ اس حکم کے موصول ہوتے ہی بجلی کی طرح یمامہ پہنچ
گئے۔ اوّلاً نرمی و محبت کے ساتھ مسیلمہ کذاب کو اسلام کی دعوت دی مگر وہ بدبخت ازلی نہ معلوم
کس غرور کے اندر مست تھا۔ ان کی نصائح پر کچھ دھیان نہ دیا۔ آخر کار مقابلہ کی نوبت آئی۔
مرتدین کے تمام معرکوں میں یہ لڑائی سب سے زیادہ ہولناک تھی۔ دربارِ خلافت سے تازہ دم
تھوڑی بہت جمعیت پہنچتی رہتی تھی جس وقت جناب خالد بن ولیدؓ مسیلمہ کذاب کے مقابلہ
پر پہنچے۔ اس وقت ان کی جمعیت چالیس ہزار سے متجاوز ہو چکی تھی۔ عقربا نامی مقام پر حق و
باطل کا معرکہ ہُوا۔ جب طرفین مقابلہ کے لیے ایک دوسرے کے مقابل صف بندی کر چکے
تو مسیلمہ کذاب کے لشکر میں سے ایک نیسار نامی جو مسیلمہ کو گمراہ کرکے دعوتِ نبوت پر ابھارنے
والا تھا۔ میدان میں مبارز طلب کرنے لگا۔ حضرت زید ابن خطاب جو سیدنا فاروقِ اعظمؓ
کے بھائی تھے، اس کے مقابلہ کے لیے نکلے اور آناً فاناً نیسار کو واصلِ جہنم کر دیا۔ تھوڑی
دیر تک جنگ مبارزانہ ہوتی رہی۔ آخر کار ایک عام لڑائی شروع ہو گئی اور مسلمانوں کی
جمعیت پریشان ہو گئی۔ بالآخر دشمن کے قدم ڈگمگا گئے۔ اسی اثنا میں مسیلمہ کا سردارِ لشکر
محکم بن طفیل حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے تیر سے واصلِ جہنم ہُوا اور ان کی فوج میں ابتری
پڑ گئی۔ حضرت خالدؓ نے نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے پھر ایک مرتبہ حملہ کیا کہ دشمن کے لشکر

میں بھگدڑ پڑ گئی۔ ایک قلعہ کے اندر محصور ہوئے پر مجبور ہو گئے۔ آخر کار اُن کو شکست ہوئی۔

طلیحہ کے ساتھ جنگ

مُدعیٔ نبوّت طلیحہ بن خویلد اسدی کے مقابلہ پر حضرت خالد بن ولید کا تقرر عمل میں آیا۔ جب خالد بن ولیدؓ دشمن کے مقابلہ پر پہنچے تو حسب الحکم اوّل اوّلاً اس کو سمجھایا مگر وہ اپنی ضد بازی سے باز نہ آیا۔ اس کی جمعیت سے اسی اثنار میں بعض قبائل متاثر ہو کر دوبارہ اسلام لے آئے مگر یہ خود چونکہ ایک مشہور جنگ جُو سپاہی تھا اور اپنی طاقت پر مغرور تھا اور جمعیت بھی اس کے ساتھ کافی تھی اسلام نہ لایا۔ بالآخر نہایت دردناک اور خونریز معرکہ ہُوا جس میں جانباز مجاہدین اور بہادر سپہ سالار خالد بن ولید نے جن کی نگاہ دشمن اور دوست دونوں میں بجلی کی طرح پھرتی تھی اور دشمن شکست کھا کر بے شمار مقتول اور مجروح چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ طلیحہ اسدی شام کی طرف بھاگ گیا اور وہاں پہنچ کر اُس نے دوبارہ اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد طلیحہ نے اسلام کی بیش بہا خدمات سر انجام دیں اور خلافتِ فاروقی میں ایران کے ایک معرکہ میں دادِ شجاعت دیتا ہُوا شہید ہُوا۔

فتوحاتِ شام و عراق

حضرت صدیقؓ نے اپنی قلیل مُدتِ خلافت میں جہاں اور بہت سے کام سر انجام دیے وہاں یہ بھی کیا کہ ان دونوں سلطنتوں کی فتح کی بُنیاد ڈال گئے۔ ابتدار ان کے دستِ حق پرست سے ہوئی اور انتہار حضرت فاروق اعظمؓ کے دستِ حق پرست پر گلشنِ اسلام میں جو بہار آئی یہ پود حضرت صدّیقؓ ہی کے دستِ اطہر کی لگائی ہُوئی تھی۔ فتنۂ ارتداد کے فتح کرنے کے بعد اپنی خلافت کے دوسرے سال یعنی ۱۲ھ میں آپ نے اسلامی فوجوں کو بجانب عراق روانہ کیا۔ ابتدار حضرت مثنی بن حارثہ کو اس کام پر مقرر کیا۔ پھر حضرت خالد بن ولیدؓ کو ان کی مدد کے لیے روانہ کیا۔ عراق میں کئی لڑائیاں

ایرانیوں سے ہوئیں اور شہر حیرہ مسلمانوں کے زیرِ دست آگیا۔ یہاں کے لوگوں نے امان مانگ کر جزیہ ادا کرنا قبول کر لیا۔ اسلامی فوجیں عراق میں مصروفِ کارزار تھیں کہ جنابِ صدیق اکبرؓ کے دل میں قتالِ شام و رُوم کا داعیہ پیدا ہُوا اور آپ نے صحابہ کرام کو جمع کر کے نہایت بلیغ وعظ فرمایا۔ جس میں جہاد کی ترغیب تھی اور حکم دیا کہ رُومیوں سے قتال کی تیاری کی جائے۔ پھر جو فوج وہاں موجود تھی اس کو چار حصّوں میں تقسیم کیا۔

(۱) ایک حصّہ پر حضرت عمرو بن عاصؓ کو امیر بنا کر بجانب فلسطین روانہ کیا۔

(۲) اور دوسرے حصّہ پر امین الامت حضرت ابُوعبیدہ کو سردار بنا کر حمص کی جانب روانہ کیا۔

(۳) تیسرے حصّہ پر یزید بن ابُوسفیان کو امیر بنا کر دمشق کی طرف روانہ کیا۔

(۴) چوتھے حصّہ پر شرجیل بن حسنہ کو امیر بنا کر بجانب اُردن روانہ کیا۔

اور فرمایا کہ جب تم سب ایک جگہ جمع ہو جاؤ تو پھر اس لشکر کی سرداری ابُوعبیدہؓ کو حاصل ہوگی۔ اس کے بعد حضرت خالد بن ولید کو حکم بھیجا کہ عراق کا معاملہ مثنیٰ بن حارثہ کے حوالے کر کے جلد از جلد شام پہنچیں اور ان کو کل افواجِ شامیہ کا سپہ سالارِ اعظم بنایا۔ اس لڑائی میں مسلمانوں کو عظیم الشان فتح حاصل ہُوئی۔ اس کامیابی کی اطلاع جناب صدیقِ اکبرؓ کو اُس وقت موصول ہوئی جب آپ زندگی کے آخری لمحات میں تھے۔

حضرت خالدؓ کے آنے سے قبل چاروں حضرات علیٰحدہ علیٰحدہ کمان کر رہے تھے۔ حضرت خالدؓ نے آکر سب کو جمع ہو کر دشمن کا مقابلہ کرنے کی تاکید فرمائی اور گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی۔ آخر کار دشمن کو شکستِ فاش ہوئی۔ اسی دن دارالخلافہ سے قاصد حضرت ابوبکرؓ کے وصال اور حضرت عمرؓ کے خلیفہ منتخب ہونے کی خبر لے کر پہنچا۔

دونوں لشکروں میں گھمسان کی لڑائی اور مسلمانوں کی فتح

مسلمانوں کی

افواج کی تعداد حسبِ ذیل تھی۔

چار سالاروں کے لشکر کی مجموعی تعداد	۲۱۰۰۰
حضرت عکرمہ بن ابی جہل کے لشکر کی تعداد	۶۰۰۰
حضرت خالد کے لشکر کی تعداد	۹۰۰۰
حضرت خالد بن سعید کی شکست خوردہ فوج کی تعداد	۳۰۰۰
مسلمانوں کی مجموعی فوج کی تعداد	۳۹۰۰۰ یا ۴۰۰۰۰

رُومی فوج کی تعداد حسبِ ذیل تھی:

پیروں میں بیڑیاں ڈالے ہوئے	۸۰۰۰۰
جان دینے کے لیے زنجیروں سے باندھے ہوئے	۴۰۰۰۰
سر عماموں سے باندھے ہوئے تاکہ فرار نہ ہو سکیں	۴۰۰۰۰
پیدل فوج	۸۰۰۰۰
جُملہ تعداد	۲۴۰۰۰۰

حضرت خالدؓ نے اپنے لشکر کو اس طرح ترتیب دیا کہ اسے چالیس گھوڑے سوار دستوں میں تقسیم کیا اور ہر دستہ پر کسی ایک بہادر افسر کو مقرّر کیا پھر انھیں تین جگہوں پر متعیّن کیا:

(۱) قلب یعنی درمیانی حصّہ (۲) میمنہ یعنی فوج کا دایاں حصّہ

(۳) میسرہ یعنی فوج کا بایاں حصّہ

۱۔ حضرت ابُوعبیدہؓ کو قلب کے سوار دستے کا افسر مقرّر کیا۔

۲۔ حضرت عمرو بن عاصؓ اور حضرت شرجیل کو میمنہ کا افسر مقرّر کیا۔

۳۔ حضرت یزیدؓ بن ابی سفیان کو میسرہ کا افسر مقرّر کیا۔

۴۔ حضرت قباث بن اشیم کو طلائع گرد دستوں کا افسر مقرر کیا۔

۵۔ اموالِ غنیمت کی نگرانی پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو مامور کیا۔

ایک آدمی نے حضرت خالدؓ سے عرض کیا، رُومی کتنے زیادہ ہیں اور مسلمان کتنے کم ہیں۔ حضرت خالدؓ نے فرمایا رُومی بہت کم اور مسلمان بہت زیادہ ہیں۔ یقین رکھو! فوجوں کی کثرت کا دارومدار فوجوں کی فتح و نصرت کی اہلیت پر ہے اور ان کی قلت ان کی شکست خوردگی پر موقوف ہے۔ لوگوں کی گنتی پر قلت وکثرت کا مدار نہیں ہے پھر حضرت خالدؓ نے حضرت عکرمہ اور حضرت قعقاع کو جو قلب کے دونوں بازوؤں میمنہ و میسرہ پر متعیّن تھے جنگ کا حکم دیا۔ ان دونوں حضرات نے جنگ کا آغاز کر دیا۔ یہ گھمسان کی لڑائی شروع ہوگئی اور گتھم گتھا ہوگئے۔ ایک دوسرے پر شدّت سے حملے ہونے لگے اسی اثنار میں دارالخلافۃ سے خلیفہ کے وصال کی اطلاع آگئی۔

حضرت ابوبکرؓ کا وصال

آپ کی وفات ۲۲ جمادی الآخرۃ ۱۳ھ مطابق ۲۳ اگست ۶۳۴ء میں ہوئی (کما تقدم) آپ کو ایک یہودی نے چاولوں میں زہر ملا کر دے دیا تھا۔ آپ اور حضرت حارث بن کلاۃ نے اسے کھا لیا۔ پھر انھوں نے حضرت ابوبکرؓ سے عرض کیا کہ ہم نے ایک سال والا میعادی زہر والا کھانا کھا لیا ہے۔ چنانچہ یہ دونوں حضرات اس کھانے کے ایک سال بعد وفات پا گئے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ آپ نے شدید سردی کے دن غسل فرما لیا تھا۔ جس کے اثر سے دو ہفتہ تک ایسے شدید بخار میں مُبتلا رہے کہ نماز کے لیے باہر نہ نکل سکتے تھے۔ اس لیے آپ نے حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کے علاج کے لیے کسی طبیب کو بُلا لیا جائے۔ فرمایا طبیب خود میرے پاس آیا تھا، اور وہ کہہ گیا ہے کہ مجھے جو تمھارے ساتھ کرنا ہے کروں گا۔ حاضرین آپ کا مطلب سمجھ

گئے اور خاموش رہے پھر اسی بخار میں آپ کا وصال ہوگیا۔

حضرتِ ابوبکرؓ کون تھے؟

(۱) جن کی ایمانی تائید نبوّت کی نشر و اشاعت کا سبب بنی۔
(۲) جن کا مطمحِ نظر بغیر صاحبِ نبوّت کی رضا کے کچھ اور نہ تھا۔
(۳) جن کی زندگی کا سرمایہ حضوؐر کی رضا تھی۔
(۴) جو حضوؐر کو دیکھے بغیر بے چین و بے قرار رہتے تھے۔
(۵) جن کے کردار، گفتار اور حرکات و سکنات سے سُنّتِ نبویّہ کی خوشبو آتی تھی۔
(۶) جنھوں نے اخلاص و دیانت داری کے صلہ میں امین النّاس کا خطاب پایا۔
(۷) جن کی ذات گرامی صفات کو حضوؐر نے بطورِ نمونہ پیش کیا۔
(۸) جن کے احساناتِ عظیمہ کا اقرار حضوؐر کی ذاتِ مقدس نے کیا۔
(۹) جن کو شبِ ہجرت میں رفاقت کے لیے پروردگارِ عالم نے منتخب فرمایا۔
(۱۰) جن کے دروازے پر حضوؐر بن بُلائے تشریف لائے۔
(۱۱) جن کی رفاقت کو تمام صحابہ کرامؓ کی رفاقت پر سرکارِ دوعالمؐ نے ترجیح دی۔
(۱۲) جن کی گود حضوؐر کے لیے آرام گاہ بنی۔
(۱۳) جن کو اگر سانپ نے کاٹ لیا تو حضوؐر کی ڈسپنسری سے دوا نصیب ہُوئی۔
(۱۴) جن کے گھر سے حضوؐر کے لیے طعام غار میں پہنچتا رہا۔
(۱۵) جن کو خدا تعالیٰ نے نصُرتِ خداوندی سے تعبیر کیا۔
(۱۶) جو نبوی درسگاہ کے پہلے طالب علم تھے۔
(۱۷) جن کو غزوۂ بدر میں حضوؐر نے لشکرِ میمنہ کا سردار بنایا۔
(۱۸) غزوۂ خندق میں جن کی طرف سے ایک کافر بھی عبور نہ کر سکا۔

(۱۹) ۹ھ میں جن کو امیر الحج کا خطاب دربارِ نبوی سے نصیب ہُوا۔

(۲۰) جنھوں نے فتنۂ ارتداد کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

(۲۱) جنھوں نے لشکرِ اسامہؓ روانہ کرنے پر ذرّہ بھر تامل نہ کیا۔

(۲۲) انکارِ زکوٰۃ پر جو جہاد کے لیے تیّار ہو گئے۔

(۲۳) جو لا یخافون لومۃ لائم کا مصداق بنے۔

(۲۴) جن کو وہی عمر نصیب ہوئی جو حضور علیہ السلام کو نصیب ہُوئی۔

حضرت ابوبکرؓ کے اقوالِ زرّیں و ارشادات

(۱) رویا کرو اللہ کے خوف سے اگر رونا نہ آئے تو رونے جیسی صورت بنا لیا کرو۔

(۲) تم سے کوئی شخص کسی مسلمان کی تحقیر نہ کرے۔ کیونکہ بہت سے کم درجے والے اللہ کے نزدیک بڑا درجہ رکھتے ہیں۔

(۳) عزّت ہم نے تقویٰ میں پائی اور غنا یقین میں اور شرافت تواضع میں۔

(۴) اللہ سے عافیت، عفو اور یقین و اطمینان طلب کیا کرو۔

(۵) آپس میں قطع رحمی نہ کرو۔ بُغض و حسد نہ کرو۔ اللہ کے فرمانبردار بندے اور آپس میں بھائی بھائی رہو جیسا کہ اللہ نے حکم دیا۔

(۶) مکّار اور بد خلق جنّت میں داخل نہ ہو گا۔

(۷) بہترین کسب وہ پیشہ ہے کہ جو خلق اللہ کو زیادہ نفع دینے والا ہو اور شُبہاتِ ربوٰی وغیرہ سے مبرّا ہو اور مروّت خلق سے مملو ہو۔

(۸) کلمۂ طیّبہ اور استغفار بکثرت پڑھا کرو کیونکہ ابلیس کہتا ہے کہ میں نے لوگوں کو گناہوں سے ہلاک کیا اور انھوں نے مجھے لآ اِلٰہَ اِلاّ اللہ اور استغفار سے۔ تو اب میں نے ان کو خواہشوں کے ذریعہ ہلاک کرنا شروع کیا۔ حالانکہ وہ جانتے

ہیں کہ وہ راہ پر ہیں۔

(۹) مرنے کی خواہش رکھو زندگی ملے گی۔

(۱۰) حق تعالیٰ تمہارے ظاہر و باطن ہر دو کو دیکھتا ہے۔

(۱۱) زیادہ گفتگو کرنے سے بعض باتیں تو یاد رہتی ہیں مگر بعض بھول جاتی ہیں۔

(۱۲) تین عادتیں ایسی ہیں کہ وہ جس شخص میں پائی جائیں گی وہ خود اس کے لیئے وبال بن جائیں گی۔ ظلم و تعدّی اور بد عہدی اور مکر و فریب۔

(۱۳) وہ قوم ذلیل ہو جاتی ہے جو اپنے معاملات میں کسی عورت کی رائے یا مشورہ پر بھروسہ کرتی ہے۔

(۱۴) اللہ اُس پر رحمت کرتا ہے جو بذاتِ خود اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے۔

(۱۵) دوسروں کے ساتھ احسان کرنا انسان کو بُرائی کے غلبہ سے محفوظ رکھتا ہے۔

(۱۶) کاش! میں ایک پودا ہوتا جسے کاٹ کر کھا لیا جاتا۔

(۱۷) خدائی آنکھیں تمھاری نگرانی کرتی رہتی ہیں۔

(۱۸) تعزیت کرنے کے بعد مصیبت باقی نہیں رہتی۔

(۱۹) اس بھلائی میں کوئی بھلائی نہیں جس کے بعد دوزخ ملے اور اس بُرائی میں کوئی بُرائی نہیں جس کے بعد جنّت نصیب ہو۔

(۲۰) آپ اپنی زبان کو پکڑ کر فرمایا کرتے تھے یہی ہے جس نے مجھے ہلاکتوں میں مُبتلا کر دیا ہے۔

(۲۱) فرمایا اللہ کی قسم مجھے کبھی خلافت کی خواہش نہ تھی۔ نہ مَیں نے کبھی اللہ سے اس کو طلب کیا۔ نہ پوشیدہ نہ آشکارا۔

(۲۲) جو شخص اللہ کی محبت کا مزہ چکھ لیتا ہے پھر اس کو طلبِ دُنیا کی فرصت نہیں ملتی۔ انسانوں سے اس کو وحشت ہوتی ہے۔

(۲۳) ایک شخص نے حضرت ابو بکرؓ سے کہا۔ واللہ میں آپ کو ایسی گالی دوں گا کہ وہ آپ کے ساتھ آپ کی قبر تک جائے گی۔ آپ نے فرمایا وہ تمھاری قبر میں داخل ہو گی میری میں نہیں۔

(۲۴) سب سے بڑی دانائی زُہد وتقویٰ اختیار کرنا ہے اور سب سے بڑی حماقت فسق وفجور میں مُبتلا ہو جانا ہے۔ سب سے بڑی سچائی امانت داری ہے۔ سب سے بڑا جھوٹ بد دیانتی ہے۔

(۲۵) چار عادتیں ایسی ہیں کہ جن میں وہ پائی جائیں گی وہ اللہ کے برگزیدہ بندوں میں شمار ہو گا۔ جو توبہ کرنے والے سے خوش ہوتا ہو۔ جو گنہگار کے حق میں دعائے مغفرت کرتا ہو جو اسلام سے روگردانی والے کو اسلام کی طرف بُلاتا ہو جو نیکوکار کی اعانت کرتا ہو۔

خلافتِ صدیقی میں پیش آنے والے مشہور واقعات کی فہرست

(۱) بروز دوشنبہ بتاریخ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ مطابق ۹ جون ۶۳۲ء سقیفہ کے اجتماع اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بیعت کا واقعہ

(۲) بروز چہار شنبہ بتاریخ ۱۴ ربیع الاول ۱۱ھ مطابق ۱۱ جون ۶۳۲ء حضرت اسامہ بن زید کے لشکر کی روانگی۔

(۳) ۱۱ھ مطابق ۶۳۲ء حضرت اسامہؓ کی واپسی۔

(۴) شعبان ۱۱ھ مطابق اکتوبر ۶۳۲ء مرتدین کی سرکوبی کے لیے جنگی دستوں کی روانگی۔

(۵) ۱۱ھ ابتدا ۶۳۲ء جنگِ یمامہ

(۶) ۱۱ھ م ۶۳۲ء ۶۳۳ء اہلِ بحرین کا مرتد ہونا۔

(۷) سنہ ۱۲ ھ مطابق سنہ ۶۳۳ء حضرت خالد بن ولیدؓ کا فوج کو لے کر بحرین کی جانب کوچ اور حیرہ کی صلح۔

(۸) صفر سنہ ۱۲ ھ مطابق سنہ ۶۳۳ء جنگِ مثنیٰ

(۹) صفر سنہ ۱۲ ھ م اپریل سنہ ۶۳۳ء جنگ ولجہ

(۱۰) ربیع الاول سنہ ۱۲ ھ م مئی سنہ ۶۳۳ء حیرہ کا محاصرہ اور اس کی سپردگی۔

(۱۱) رجب سنہ ۱۲ ھ م ستمبر سنہ ۶۳۳ء عراق کی سمت فوجوں کی روانگی۔

(۱۲) ذیقعدہ سنہ ۱۲ ھ م جنوری سنہ ۶۳۴ء۔ جنگِ فراض۔ اہل فارس، اہلِ رُوم اور بدوؤں کی شکست۔

(۱۳) ذی الحجہ سنہ ۱۲ ھ م فروری سنہ ۶۳۴ء حضرت خالدؓ کا خفیہ حج ادا کرنا۔

(۱۴) پہلی ششماہی سنہ ۱۳ ھ م مارچ۔ اگست سنہ ۶۳۴ء حضرت خالدؓ کی عراق سے شام کی طرف روانگی کے بعد حضرت مثنیٰؓ کا عراق میں داخل ہونا۔

(۱۵) موسم گرما سنہ ۱۳ ھ م سنہ ۶۳۴ء جنگِ بابل۔

(۱۶)

جمادی الاخریٰ سنہ ۱۳ ھ م ۲۳ ر اگست سنہ ۶۳۴ء حضرت ابوبکرؓ کا وصال۔

تمت سوانحعمری

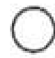
خلیفۂ اوّل بلا فصل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ط (سورۃ الحج)

ترجمہ: وہ لوگ کہ اگر ہم اُن کے پاؤں ملک میں جما دیں، (حاکم کر دیں) تو نماز پڑھا کریں اور زکوٰۃ دیا کریں اور نیک باتوں کا حکم دیا کریں اور بُری باتوں سے منع کیا کریں۔

(تفسیر حقانی)



فرمانِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم

حضراتِ شیخین رضؓ کے بارے میں

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایک دن) فرمانے لگے: مجھے نہیں معلوم تمہارے درمیان میری زندگی اب کتنی باقی رہ گئی ہے (ابھی کچھ دن اور جینا مقدر ہے یا وقتِ موعود قریب آگیا ہے) لہٰذا (آگاہ کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ) تم لوگ میرے بعد ان دونوں شخصوں کی پیروی کرنا (جو یکے بعد دیگرے میرے جانشین اور خلیفہ ہوں گے) اور وہ ابوبکرؓ و عمرؓ ہیں

(مظاہرِ حق بحوالہ ترمذی شریف)



حضرت سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

سنہ ۱۳ ھ تا سنہ ۲۴ ھ

مطابق سنہ ۶۳۴ ء تا سنہ ۶۴۵ ء

نام و نسب

آپ کا نام عمرؓ لقب فاروق کنیت ابوحفص ہے سلسلۂ نسب اس طرح ہے۔ عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ بن ریاح بن عبد اللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی۔ آپ کا نسب نویں پشت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے۔ کعب کے دو فرزند تھے۔ مرہ اور عدی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مرہ کی اولاد میں سے ہیں والدہ کا نام حنتمہ بنت ہاشم تھا جو کہ ابوجہل کی بہن تھیں۔ اسی لیے آپ ابوجہل کو ماموں کہا کرتے تھے۔

امیر المومنین کا لقب

حضرت عمر بن عبد العزیز نے ابوبکر بن سجان سے فرمایا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں آپ کو خلیفہ رسول اللہ اور حضرت عمرؓ کو خلیفہ خلیفہ رسول اللہ لکھا اور کہا جاتا تھا۔ لیکن یہ بتاؤ کہ خلیفہ ابوبکرؓ کے عوض سب سے اوّل امیر المومنین کس نے لکھا؟ ابوبکر بن سلیمان بن ابی حشمہ نے جواب دیا کہ مجھ سے شفا نے جو ایک مہاجر خاتون ہیں۔ اس طرح بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس طرح تحریر فرمایا کرتے تھے ”خلیفہ رسول اللہ کی طرف سے“۔ اور حضرت عمرؓ اس طرح تحریر فرماتے تھے ”خلیفہ خلیفہ رسول اللہ کی جانب

سے"۔ ایک بار حضرت عمرؓ نے عراق کے گورنر کو تحریر فرمایا کہ تم میرے پاس دو بہادر اور ہوشیار عراقیوں کو بھیج دو تاکہ ہم اُن سے عراق اور اہلِ عراق کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کر سکیں۔ حاکمِ عراق نے آپ کے پاس لبید بن ربیعہ اور عدی بن حاتم کو بھیج دیا۔ جب یہ دونوں مدینہ منوّرہ پہنچے تو سب سے پہلے مسجدِ نبویؐ میں پہنچے۔ یہاں عمرو بن عاص سے ملاقات ہُوئی۔ انھوں نے آپ سے کہا کہ ہم حاضر ہو گئے ہیں آپ ہمیں "امیر المومنین" کی خدمت میں پہنچا دیجئے۔ یہ سُن کر حضرت عمرو بن العاص نے کہا واللہ تم نے ان کو بہت ہی اچھا لقب دیا ہے۔ یہ کہہ کر آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور کہا "السلام علیکم یا امیر المؤمنین"۔ یہ سُن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا تم کو میرا یہ لقب کہاں سے معلوم ہوا؟ انھوں نے آپ کو یہ تمام واقعہ سُنایا اور کہا واقعی ہم سب مؤمنین ہیں اور آپ ہمارے امیر ہیں اس لیے آپ امیر المؤمنین ہی ہوئے۔ پس اُس روز سے خلافت کے تمام کاغذات میں یہی لکھا جانے لگا۔

فارُوق کا لقب

ابن سعدؒ ذکوانؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ حضرت عمرؓ کا نام فاروق کس نے رکھا؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جواباً فرمایا۔ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے۔

پیدائش و خاندان

ولادت سراپا بشارت واقعہ فیل (عام الفیل۔ یہی حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا سالِ ولادت ہے) کے تیرہ برس بعد ہوئی۔ آپ کا خاندان زمانہ جاہلیت میں بھی ممتاز تھا۔ قریش کے نظام میں سفارت کا عہدہ آپ ہی کے خاندان میں تھا۔ معاش کا ذریعہ تجارت تھا۔ حضرت عمرؓ اس سلسلہ میں دُور دُور کا سفر کر چکے تھے۔ ان سفروں نے آپ کو بہت پختہ کار اور معاملہ فہم بنا دیا تھا۔ اسی لیے سفارت کا خاندانی عہدہ ان کے متعلق ہُوا اور قبائل میں جب کوئی پیچیدہ مسئلہ پیش آجاتا تھا تو حضرت عمرؓ ہی سفیر بن کر جاتے

تھے اور اپنے فہم اور تدبر سے اسے حل کرتے تھے۔

حلیۂ مبارک

آپ کا رنگ سفید مائل بہ سُرخی تھا مگر قحط سالی میں ناموافق غذا کے استعمال سے رنگ میں سیاہی آگئی تھی۔ رخساروں پر گوشت کم تھا، قد مبارک دراز تھا۔ جب لوگوں کے درمیان کھڑے ہوتے تو سب سے اونچے نظر آتے۔ معلوم ہوتا گویا سواری پر بیٹھے ہیں۔

لباس

قتادہؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اکثر صوف کا لباس پہنتے تھے جس میں چمڑے کا پیوند لگا ہوتا۔ حالانکہ آپ خلیفہ تھے اور اسی لباس میں دُرہ لپیٹے ہوئے بازار تشریف لے جاتے اور اہل بازار کو ادب و تنبیہ فرماتے تھے۔ اگر آپ کے راستہ میں کہیں تُرکش کی رسّی یا چھوہارے کی گٹھلی پڑی ہوتی تو آپ اس کو اُٹھا کر لوگوں کے گھروں میں پھینک دیتے تھے تاکہ وہ اس سے دوبارہ فائدہ اُٹھائیں۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کے کُرتے میں شانے کے قریب چار پیوند لگے دیکھے۔

عبدالعزیز بن ابی جمیلہ انصاری سے روایت ہے کہ عمرؓ بن الخطاب نے جمعہ کی نماز میں آنے میں دیر کی، جب نکلے اور منبر پر چڑھے تو لوگوں سے معذرت کی، فرمایا کہ صرف مجھے میرے اس کُرتے نے روکا، میرے پاس سوائے اس کے دُوسرا کُرتا نہ تھا جو سیا جا رہا تھا۔

جوانی اور عہدِ جاہلیّت

لڑکپن میں اونٹوں کے چرانے کا شغل تھا۔ جوان ہونے کے بعد عرب کے دستور کے موافق نسب دانی، سپہ گری، شہسواری اور پہلوانی کی

تعلیم حاصل کی۔ بازار عکاظ میں جہاں سالانہ اہلِ فن کا اجتماع ہوتا تھا اور بہت بڑا میلہ لگتا تھا اکثر دنگل میں کُشتی لڑا کرتے تھے اور مُلک عرب کے نامی پہلوانوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ شہسواری میں یہ کمال حاصل تھا کہ گھوڑے پر اُچھل کر سوار ہوتے اور اس طرح جم کر بیٹھتے کہ بدن کو حرکت نہ ہوتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت قریش میں صرف سترہ آدمی ایسے تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ ان میں ایک عمرؓ بن الخطاب بھی تھے۔ ظہورِ اسلام کے وقت عمائدِ قریش کی طرح حضرت عمرؓ بھی اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھے۔ اسلام اُن کی نگاہ میں سب سے بڑا جرم تھا جس کا مجرم ہر سزا کا مستحق تھا۔ جو شخص نیا مسلمان ہوتا تھا حضرت عمرؓ اس کے دشمن ہو جاتے تھے اور اس کو ہر امکانی اذیت پہنچانے میں دریغ نہ کرتے لیکن تھے بڑے عالی دماغ اور شکوہ و دبدبہ والے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کے اسلام کی بڑی آرزو تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے اسلام لانے کی دُعا فرمایا کرتے تھے۔

رسُول اللہؐ کی دُعا

ابنِ عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا مانگی کہ اے اللہ، عمرؓ بن الخطاب یا ابی جہل بن ہشام۔ ان دو میں سے کسی ایک سے جو تیرے نزدیک زیادہ محبوب ہو اسلام کو عزت دے۔ ان دونوں میں اس کے نزدیک محبوب تر عمر بن الخطاب تھے۔

سعید بن المسیب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب عمر بن الخطاب یا ابوجہل بن ہشام کو دیکھتے تو فرماتے کہ اے اللہ ان دونوں میں سے جو تیرے نزدیک زیادہ محبوب ہو اس سے اپنے دین کو قوت دے۔ اُس نے عمر بن الخطاب سے اپنے دین کو قوت دی۔

قبولِ اسلام بعمر ۲۷ سال

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) تلوار حمائل میں لپیٹے ایک روز گھر سے نکلے ہی تھے کہ قبیلہ بنو زہرہ کا ایک شخص

آپ کو مِلا اور پُوچھا اے عمرؓ، کہاں کا ارادہ ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قتل کے ارادہ سے چلا ہوں۔ اس شخص نے کہا کہ اس قتل کے بعد تم بنی ہاشم اور بنی زہرہ سے کس طرح بچ سکو گے۔ (وہ اس قتل کا بدلہ لیں گے) اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیا، اس کو جواب دیا، معلوم ہوتا ہے تم نے بھی اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ دیا ہے۔ اس شخص نے کہا کہ میں تم کو اس سے بھی زیادہ دلچسپ بات بتاتا ہُوں وہ یہ کہ تمھاری بہن اور بہنوئی دونوں اپنا آبائی دین ترک کر چکے ہیں۔ یہ سُن کر حضرت عمرؓ وہیں سے پلٹ پڑے اور اپنی بہن کے گھر پہنچے۔ اس وقت جناب خبّاب بھی موجود تھے لیکن وہ آپ کی آہٹ پاکر گھر میں کسی جگہ چھُپ گئے۔ حضرت عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے گھر میں آنے سے پہلے یہ تینوں آہستہ آواز میں سُورۂ طٰہٰ پڑھ رہے تھے اور اُن کے آجانے پر خاموش ہو گئے تھے۔ آپ نے گھر میں داخل ہوتے ہی دریافت کیا کہ تم لوگ کیا پڑھ رہے تھے۔ آپکی بہن اور بہنوئی نے کہا کچھ نہیں ہم آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ آپ نے کہا مجھے معلوم ہُوا ہے کہ تم دونوں بے دین ہو گئے ہو۔ آپ کے بہنوئی نے کہا ہاں تمھارے دین میں حق نام کو نہیں ہے۔ یہ سُنتے ہی آپ نے غضب ناک ہو کر بہنوئی کے زور سے طمانچہ مارا۔ یہ دیکھ کر آپ کی بہن ان کو بچانے آئیں تو آپ نے بہن کو بھی ہاتھ سے پرے دھکیل دیا۔ جس سے اُن کے بھی چوٹ آئی اور منہ سے خون نکل آیا۔ آپ کی بہن نے غصّہ سے کہا کہ جب تمھارا دین سچا نہیں تو میں گواہی دیتی ہُوں کہ سوائے ایک معبود کے کوئی دُوسرا خدا نہیں ہے اور محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسُول ہیں۔ اس وقت حضرت عمرؓ نے فرمایا اچھا مجھے وہ کتاب دو جو تمھارے پاس ہے تاکہ میں بھی اُس کو پڑھوں — آپ کی بہن نے کہا کہ تم نجس ہو اور اس مقدس کتاب کو پاک لوگ ہی ہاتھ لگا سکتے ہیں پہلے غسل کرو یا کم ازکم وضو کرلو۔ آپ نے (ان کے کہنے پر) وضو کیا اور وہ کتاب لیکر پڑھی۔ اس میں سُورۂ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی۔ آپ اس کو پڑھنے لگے۔ جس وقت اس آیت پر

پہنچے" اِنَّنِیۡ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدۡنِیۡ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِکۡرِیۡ:" (بے شک میں ہی اللہ تعالیٰ ہوں اور کوئی دُوسرا میرے سوا معبُود نہیں اس لیے تم میری عبادت کرو اور میری ہی یاد میں نماز پڑھو) تو حضرت عمرؓ کہنے لگے کہ مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جلدی ملا دو۔ جس وقت حضرت خبابؓ نے یہ کلمہ سُنا آپ باہر نکل آئے اور کہا کہ اے عمُر (رضؓ) میں تم کو بشارت دیتا ہوں کہ جمعرات کی شب میں ہمارے آقا و مولا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ دُعا مانگی تھی کہ الٰہی اسلام کو عمُر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بن خطاب یا عمرو بن ہشام کے مسلمان ہونے سے غلبہ اور قوّت عطا فرما، یہ اُسی کا اثر ہے۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کوہِ صفا کے متّصل ایک مکان میں تشریف فرما تھے۔ حضرت خبابؓ آپ کو ساتھ لیتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے لیے روانہ ہوئے۔ جس مکان میں اُس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اس کے دروازے پر حضرت حمزہ، حضرت طلحہ، اور چند دوسرے صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) بطور نگران بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت حمزہؓ نے انھیں دیکھ کر کہا عمرؓ آ رہے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کو اُن کی خیریت منظور ہے تب تو یہ میرے ہاتھ سے بچ جائیں گے اور اگر ان کا ارادہ کچھ اور ہے تو پھر ان کا قتل کرنا بہت آسان ہے۔ اسی اثناء میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر ان تمام حالات پر مشتمل وحی نازل ہو چکی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکان سے باہر تشریف لا کر حضرت عمرؓ کا دامن اور تلوار پکڑ لی اور فرمایا اے عمُر، کیا یہ فساد تم اُس وقت تک برپا کرتے رہو گے جب تک تم پر بھی وہ خواری اور ذلّت اللہ کی طرف سے مسلّط نہ ہو جائے جیسی ولید بن مغیرہ کے لیے ہوئی۔ یہ سُنتے ہی حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے کہا اَشۡهَدُ اَنۡ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اِنَّكَ عَبۡدُ اللّٰهِ وَ رَسُوۡلُهٗ۔

قبولِ اسلام کا اظہار

حضرت عمرؓ نے اپنے قبولِ اسلام کا واقعہ اس طرح خود فرمایا کہ مَیں رسالتآب صلی اللہ علیہ وسلّم کا سخت ترین دشمن تھا۔ موسم گرما میں ایک روز میں مکّہ کی گلی سے گزر رہا تھا کہ ایک شخص مجھے ملا اور مجھ سے کہا اے عمر، بڑے تعجب کی بات ہے کہ تم خود کو بہت کچھ سمجھتے ہو اور تمہارے گھر میں وہ کام ہو جائے کہ تم کو اس کی خبر ہی نہیں۔ مَیں نے کہا کیا ہُوا۔ اس شخص نے کہا ہوتا کیا تمہاری بہن مسلمان ہو گئی ہے۔ یہ سُنتے ہی مَیں جہاں تھا وہاں سے غصہ میں پلٹ پڑا اور سیدھا بہن کے مکان پر پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے پوچھا گیا کون ہے؟ مَیں نے کہا عمرؓ ہوں، اندر جو لوگ تھے گھبرا گئے اور مجھ سے خوفزدہ ہُوئے۔ وہ ایک کتاب کو پڑھ رہے تھے۔ جلدی میں اُسے اٹھانا بھول گئے، وہ کتاب باہر ہی رکھی رہی، میری بہن نے دروازہ کھولا اُسے دیکھتے ہی مَیں نے کہا اے دشمنِ جاں! تُو بے ایمان ہو گئی (اپنے دین سے ہٹ گئی) یہ کہہ کر غصہ میں جو کچھ میرے ہاتھ میں تھا وہ مَیں نے اس کے سر پر کھینچ مارا۔ سر سے خون بہنے لگا۔ بہن نے رو کر مجھ سے کہا عمر! مَیں بے دین ہو گئی یا جو کچھ ہو گئی، جو کچھ میری سمجھ میں آیا وہ میں نے کر لیا، یہ سُن کر مَیں اندر گیا اور تخت پر جا کر بیٹھ گیا وہاں مَیں نے ایک کتاب رکھی ہوئی دیکھی مَیں نے بہن سے کہا یہ کیا ہے میرے پاس لاؤ، بہن نے کہا تم اس کے چھُونے کے اہل نہیں کہ اس کو پاک لوگ ہی ہاتھ میں لے سکتے ہیں۔ مَیں نے اصرار کیا۔ میرے اصرار سے وہ مجبور ہو کر وہ کتاب لے کر میرے پاس آئی۔ مَیں نے جیسے ہی اس کو کھولا۔ شروع میں بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ لکھا ہُوا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے نام کی ہیبت سے مَیں کانپ گیا اور وہ مقدّس کتاب میرے ہاتھ سے چھُوٹ گئی۔ جب کچھ دیر کے بعد میرے اوسان بحال ہُوئے تو مَیں نے پھر اُسے اٹھا کر پڑھا۔ اس مرتبہ میری نظر اس آیت پر پہنچی۔ "سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ" (جو کچھ زمین و آسمان میں ہے

سب اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں) میں پھر لرزہ براندام ہوگیا۔ تیسری بار جب میں نے اسے پڑھا۔ جب میں اس آیت پر پہنچا "اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ" (اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ) تو بے ساختہ میری زبان سے نکلا "اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" یہ سن کر تمام لوگ جو گھر میں موجود تھے میری طرف دوڑے اور سب نے باآواز بلند تکبیر کہی اور مجھے مبارکباد دی۔ پیر کے روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی دعا فرما چکے تھے کہ اے اللہ، اپنے دین کے ان دو دشمنوں ابوجہل بن ہشام یا عمر بن خطاب میں سے جسے تو چاہے اس کے ذریعے اپنے دین کو غلبہ عطا فرما۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کوہِ صفا کی وادی کے مکان میں تشریف رکھتے تھے۔ یہ لوگ مجھے وہاں لے گئے۔ میں نے وہاں پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے پوچھا کون ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں عمر ہوں۔ چونکہ تمام لوگ میری دشمنی اور عداوت سے واقف تھے چنانچہ میرا نام سن کر کسی نے دروازہ کھولنے کی جرأت نہیں کی۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دروازہ کھول دو۔ لوگوں نے دروازہ کھول دیا۔ اور دو افراد نے میرے بازو پکڑ لیے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے۔ آپؐ نے فرمایا انھیں چھوڑ دو۔ پھر آپؐ نے میرا دامن پکڑا اور اپنی طرف کھینچا اور فرمایا، عمر! مسلمان ہو جاؤ۔ ! الٰہی عمر کو ہدایت دے! میں نے فوراً کلمۂ شہادت پڑھا اور مسلمانوں نے اس زور سے تکبیر کہی کہ مکّہ کی گلیوں میں اس تکبیر کی آواز پہنچی۔ لوگ ڈر گئے اور مجھ سے مار پیٹ کی کسی کو ہمّت نہ ہوئی۔ یہاں سے میں اپنے ماموں ابوجہل بن ہشام کے پاس پہنچا۔ ابوجہل قریش میں بااثر سمجھا جاتا تھا اور اس کو بھی رئیس قریش کی حیثیت حاصل تھی۔ میں نے اس کے دروازے پر دستک دی۔ اُس نے پوچھا کون ہے۔ میں نے کہا کہ میں عمر ہوں اور میں نے تیرا دین چھوڑ دیا ہے۔ اُس نے کہا کہ عمر ایسا مت کرنا اور پھر خوف کے باعث اندر سے دروازہ بند کر دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رُوسا قریش سے ملاقات

یہاں سے مَیں قریش کے ایک اور سردار اور با اثر شخص کے پاس پہنچا اور اس سے بھی وہی گفتگو ہُوئی جو ابوجہل سے ہُوئی تھی۔ اس نے بھی وہی جواب دیا جو میرے ماموں نے دیا تھا اور اُس نے بھی خوف سے اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ مَیں نے کہا کہ ان حرکتوں سے کیا حاصل۔ تم دوسرے مسلمانوں کو تو (دین کی تبدیلی کی وجہ سے) مارتے پیٹتے ہو مگر اب مجھ سے آنکھ بھی نہیں ملاتے۔ میری یہ باتیں سُن کر ایک شخص نے کہا کہ تم اپنا دین اور اپنا اسلام کیا اس طرح ظاہر کرنا چاہتے ہو۔ مَیں نے کہا کہ ہاں اب اسی طرح ہو گا۔ اس نے کہا کہ وہ دیکھو اس پتھر کے پاس کچھ لوگ بیٹھے ہیں ان میں ایک شخص ایسا بھی ہے کہ اگر تم اسے راز کی بات کہہ دو تو وہ راز نہیں رہ سکے گی۔ اس سے جا کر اپنے اسلام کا واقعہ بیان کرو ہر جگہ خبر ہو جائے گی۔ خود کیوں دروازے جاتے ہو۔ چنانچہ مَیں وہاں پہنچا اور اس سے اپنے اسلام قبول کرنے کا اظہار کیا۔ اُس نے کہا کیا تم مسلمان ہو چکے۔ مَیں نے کہا ہاں۔ یہ سنتے ہی اس نے زور سے کہا کہ لوگو عمر بن خطاب ہمارے دین سے خارج ہو گیا۔ یہ سنتے ہی اِدھر اُدھر جو مشرکین موجود تھے مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ دیر تک مار پیٹ ہوتی رہی۔ اسی شور و غل کی آواز سُن کر میرے ماموں نے پوچھا یہ کیا شور و غل ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ عُمر مسلمان ہو گیا ہے۔ یہ سُن کر میرا ماموں اُبو جہل پتھر پر چڑھا اور لوگوں سے کہا کہ مَیں نے اپنے بھانجے کو پناہ دے دی ہے۔ یہ سُنتے ہی وہ لوگ جو مجھ سے اُلجھ رہے تھے، الگ ہو گئے۔ مگر یہ امر مجھ پر بڑا شاق گزرا کہ دوسرے مسلمانوں سے مار پیٹ کا سلسلہ جاری رہے اور مَیں کھڑا تماشہ دیکھوں۔ چنانچہ مَیں ابُوجہل کے پاس پھر پہنچا اور مَیں نے اُس سے کہا کہ مجھے تمھاری پناہ نہیں چاہیئے۔ اس کے بعد مار پیٹ کا کچھ سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا فرمایا اور یہ سلسلہ بند ہو گیا۔

ہجرت اور اذان

اہلِ قریش ایک مدت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوٰی نبوت کو بے پرواہی کی نگاہ سے دیکھتے رہے اور مسلمانوں کو اذیتیں دیتے رہے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جن لوگوں کو کفار کے ظلم و ستم سے نجات نہیں مل سکتی وہ مدینہ کو ہجرت کر جائیں۔ سب سے پہلے ابو سلمہؓ، عبداللہ بن اشہلؓ پھر حضرت بلالؓ مؤذن اور عمار یاسرؓ نے ہجرت کی۔ ان کے بعد حضرت عمرؓ نے بیس آدمیوں کے ساتھ مدینہ منورہ کا قصد کیا۔ ان کے بعد اکثر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ہجرت کی۔ یہاں تک کہ ۶۲۲ء میں خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ چھوڑا اور آفتابِ رسالت مدینہ کے اُفق سے طلوع ہوا۔

مدینہ منورہ پہنچ کر اس بات کا وقت آیا کہ اسلام کے فرائض و ارکان محدود و معین کیے جائیں کیونکہ مکہ معظمہ میں جان کی حفاظت ہی سب سے بڑا فرض تھا یہی وجہ تھی کہ اب تک روزہ، زکوٰۃ، نمازِ جمعہ، نمازِ عید، صدقہ فطر کوئی چیز وجود میں نہیں آئی تھی نمازوں میں بھی یہ اختصار تھا کہ مغرب کے سوا باقی نمازوں میں صرف دو دو رکعتیں تھیں۔ یہاں تک کہ نماز کے اعلان کا طریقہ بھی نہیں معین ہوا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا انتظام کرنا چاہا۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں نماز کے اعلان کے لیے ناقوس کا رواج تھا۔ اس لیے صحابہؓ نے یہی رائے دی۔ ابنِ ہشام نے روایت کی ہے کہ یہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجویز تھی۔ بہرحال یہ مسئلہ زیرِ بحث تھا اور کوئی رائے قرار نہیں پائی تھی کہ حضرت عمرؓ آنکلے اور انھوں نے کہا کہ ایک آدمی اعلان کرنے کے لیے کیوں نہ مقرر کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا۔

یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اذان نماز کا دیباچہ اور اسلام کا ایک بڑا شعار ہے

حضرت عمرؓ کے لیے اس سے زیادہ کیا فخر کی بات ہو سکتی ہے کہ یہ شعارِ اعظم ان ہی کی رائے کے موافق قائم ہوا۔

خلافت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات ۲۲ جمادی الآخرہ ۱۳ھ بروز سہ شنبہ سرِ شام ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی روز صبح کے وقت خلافت قبول فرمائی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب میرے والد کی علالت میں شدت ہوئی تو ان کے پاس فلاں فلاں شخص آئے اور کہا کہ اے خلیفہ رسول اللہ! کل جب آپ اپنے رب سے ملیں گے تو اس کا کیا جواب دیں گے کہ آپ نے ہم پر ابن الخطاب کو خلیفہ بنایا ہے۔ انھوں نے کہا کہ مجھے بٹھا دو۔ جب بیٹھ گئے تو فرمایا کیا تم لوگ مجھے اللہ سے ڈراتے ہو؟ میں کہوں گا کہ میں نے ان پر اس شخص کو خلیفہ بنایا ہے جو ان سب سے بہتر تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے ایک دوسری روایت ہے کہ جب ابوبکرؓ کی وفات کا وقت آیا تو انھوں نے عمرؓ کو خلیفہ بنایا۔ ان کے پاس حضرت علیؓ اور طلحہؓ آئے اور دریافت کیا کہ آپ نے کس کو خلیفہ بنایا۔ انھوں نے کہا عمرؓ کو۔ دونوں نے کہا پھر آپ اپنے رب کو کیا جواب دیں گے۔ انھوں نے کہا کیا تم دونوں مجھے اللہ سے ڈراتے ہو، اس لیے کہ میں تم دونوں سے زیادہ اللہ کو اور عمرؓ کو جانتا ہوں۔ میں اللہ سے کہوں گا کہ میں نے ان پر اس شخص کو خلیفہ بنایا جو تیرے اہل میں سب سے زیادہ بہتر تھا۔
(طبقات ابن سعد)

حضرت عمرؓ کا پہلا خطبہ

حسن سے روایت ہے کہ ہمارا خیال ہے کہ عمرؓ نے سب سے پہلے جو خطبہ ارشاد فرمایا وہ یہ تھا کہ انھوں نے اللہ کی حمد و ثنا کی،

پھر کہا کہ امّا بعد، مَیں تمھارے شامل حال کر دیا گیا اور تم میرے شامل حال کر دیے گئے مَیں اپنے دونوں صاحبوں کے بعد تم پر خلیفہ ہو گیا۔ جو شخص ہمارے سامنے ہو گا۔ ہم خود ہی اس کا کام کریں گے (یعنی اس کے معاملات و مقدمات کی سماعت خود ہی کرینگے) اور جب ہم سے دُور ہو گا تو ہم اہلِ قوت و امانت کو والی بنائیں گے۔ جو اچھائی کرے گا ہم اس کے ساتھ زیادہ اچھائی کریں گے اور جو بُرائی کرے گا ہم اُسے سزا دیں گے اور اللہ ہماری اور تمھاری مغفرت کرے۔

جامع بن شداد نے اپنے والد سے روایت کی کہ عمرؓ نے منبر پر چڑھ کر سب سے پہلے جو کلام کیا تھا وہ یہ تھا کہ اے اللہ مَیں سخت ہُوں لہٰذا مجھے نرم کر دے۔ مَیں کمزور ہوں مجھے توانا کر دے اور مَیں بخیل ہُوں مجھے سخی کر دے۔

جامع بن شداد نے اپنے کسی قرابتدار سے روایت کی کہ مَیں نے عمرؓ بن الخطاب کو کہتے سُنا کہ تین کلمات ہیں کہ جب مَیں انھیں کہوں تو تم لوگ ان پر آمین کہو۔ اے اللہ مَیں ضعیف ہوں لہٰذا مجھے قوی کر دے، اے اللہ مَیں سخت ہوں لہٰذا مجھے نرم کر دے اور اے اللہ مَیں بخیل ہُوں لہٰذا مجھے سخی کر دے۔

حضرت ابوبکر صدّیقؓ کی تدفین کے بعد مسلمانوں سے خطاب

حمید بن ہلال نے کہا کہ مجھے ایک شخص نے جو ابوبکر صدّیقؓ کی وفات کے وقت موجود تھے خبر دی کہ جب عمرؓ ان کے دفن سے فارغ ہوئے تو انھوں نے اُن کی قبر کی مٹی سے ہاتھ جھاڑا۔ پھر اپنی جگہ پر خطبے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اللہ نے تم لوگوں کو میرے ساتھ شامل کیا اور مجھے تمھارے ساتھ شامل کیا۔ اس نے مجھے میرے دونوں صاحبوں کے بعد باقی رکھا۔ واللہ تمھارا جو معاملہ میرے سامنے آئے گا تو اس میں کوئی شخص بغیر میرے حکم کے والی نہ ہو گا اور جو معاملہ میری نظروں سے باہر ہو گا تو مَیں اس میں

امانت وکفایت کے ساتھ اپنی کوشش صرف کروں گا۔ اگر لوگ احسان کریں گے تو میں بھی ضرور ضرور ان کے ساتھ احسان کروں گا اور اگر برائی کریں گے تو میں ضرور ضرور انھیں سزا دوں گا۔

قاسم بن محمد سے روایت ہے کہ عمرؓ بن الخطاب نے کہا کہ اس شخص کو معلوم ہونا چاہیئے جو میرے بعد اس امر خلافت کا والی ہو گا کہ قریب و بعید کے لوگ اس کی خواہش کریں گے۔ میں اپنی طرف سے (اپنے لیے) لوگوں سے لڑوں گا اور اگر مجھے معلوم ہوتا کہ اس امر کے لیے مجھ سے زیادہ قوی کے ہوتے ہوئے میں متقدم کر دیا گیا ہوں تو مجھے اس کا والی بننے سے اپنی گردن کا مار دیا جانا زیادہ پسند ہوتا۔

خلافتِ فاروقیؓ کے عام حالات

۱۳ھ میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی وفات کے بعد مسند آرائے خلافت ہوئے اور تھوڑے ہی دنوں میں ایک چھوٹی سی اسلامی ریاست کو ملکِ عظیم بنا دیا۔

مزاج مبارک میں سختی زیادہ تھی۔ غصہ جلد آجاتا تھا۔ بالکل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سی کیفیت تھی۔ مگر اس کے ساتھ ہی دو صفتیں عجیب و غریب تھیں۔ اول یہ کہ اپنی ذات کے لیے کبھی غصہ نہ آتا تھا، دوم یہ کہ عین اشتعال کی حالت میں کوئی شخص اللہ تعالےٰ کا نام پاک آپ کے سامنے لیتا یا قرآن مجید کی کوئی آیت پڑھتا تو فوراً غصہ دفع ہو جاتا، گویا تھا ہی نہیں۔

جب آپ خلیفہ ہوئے تو لوگ آپ کی سخت گیری سے اس قدر خوفزدہ ہوئے کہ گھروں سے باہر نکل کر بیٹھنا چھوڑ دیا۔ یہ حالت دیکھ کر آپ نے خطبہ پڑھا اور اس خطبہ میں فرمایا کہ اے لوگو! میری سختی اس وقت تک تھی کہ جب تک تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور حضرت صدیقؓ کی نرمیوں اور مہربانیوں سے فیضیاب تھے۔ میری

سختی اُن کی نرمی کے ساتھ مل کر اعتدال کی کیفیت پیدا کر دیتی تھی مگر اب میں ہی تمہارا والی ہوں، اب میں تم پر سختی نہ کروں گا۔ اب میری سختی صرف ظالموں اور بدکاروں پر ہوگی۔

اِسی خطبہ میں فرمایا کہ اے لوگو! اگر میں سُنّتِ نبویؐ اور سیرتِ صدیقی کے خلاف کوئی حکم دُوں تو تم کیا کرو گے۔ لوگ کچھ نہ بولے، پھر دوبارہ آپ نے یہی ارشاد فرمایا تو ایک نوجوان تلوار کھینچ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا نَفْعَلُ ھٰکَذَا یعنی اس طرح تلوار سے سر کاٹ دیں گے۔ اس پر آپ بہت خوش ہُوئے۔

خلیفہ ہوتے ہی عام اجازت دی کہ میری جو بات قابلِ اعتراض ہو سرِ بازار مجھے ٹوک دیا جائے۔ آپ کی طرف سے اعلانِ عام کیا گیا کہ اَحَبَّ النَّاسِ اِلَیَّ مَنْ رَفَعَ عُیُوْبِیْ یعنی سب سے زیادہ میں اس شخص کو پسند کروں گا جو میرے عیبوں پر مجھے اِطّلاع دے۔

اس اعلان کے بعد ادنیٰ ادنیٰ لوگوں نے سرِ دربار آپ پر نکتہ چینی شروع کر دی۔ اگرچہ وہ نکتہ چینی غلط ہوتی تھی مگر آپ اس پر خوش ہوتے تھے اور بڑی توجہ سے سُنتے تھے اور اس کا جواب دیتے تھے۔

تواضع کی صفت آپ میں اس قدر تھی کہ اس کا اندازہ کرنے سے عقلِ انسانی عاجز ہوتی ہے۔ خلیفہ ہونے کے بعد منبر پر جو گئے تو منبر کے اُس زینہ پر بیٹھے جس پر حضرت صدیقؓ کے پاؤں رہتے تھے، لوگوں نے کہا اوپر بیٹھیے تو فرمایا میرے لیے یہی کافی ہے کہ مجھے اُس مقام پر جگہ مِل جائے جہاں صدیقؓ کے پاؤں رہتے ہوں۔

شروع میں لوگوں نے آپ کو خلیفہ رسُول اللہؐ کہنا چاہا تو فرمایا میں اس قابل نہیں ہُوں اور اپنے لیے ایک سادہ لفظ "امیر المؤمنین" کا پسند فرمایا۔ یہ لفظ سب سے پہلے آپ کے لیے استعمال ہُوا۔ (خلفائے راشدین)

امام کے فرائض

حضرت حسنؓ سے روایت ہے کہ عمرؓ بن الخطاب نے فرمایا رعایا امام کے حقوق ادا کرتی رہتی ہے، جب تک امام اللہ کے حقوق ادا کرتا رہتا ہے۔ جب امام عیش کرنے لگتا ہے تو وہ بھی عیش کرنے لگتے ہیں۔

زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد اسلم نے بتایا کہ عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ اے اسلم مجھے عمرؓ کا حال بتلاؤ۔ اسلم نے کہا کہ میں نے انھیں عمرؓ کے بعض حالات بتلائے تو عبداللہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سے کبھی کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جو اتنا زیادہ کوشش کرنے والا اور اتنا زیادہ سخی ہو کہ عمرؓ سے بڑھ جائے۔ (طبقات ابن سعد)

حضرت عمرؓ کی حکومت کی خصوصیت

اُن کی حکومت کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ آئینِ حکومت میں شاہ و گدا، شریف و رذیل، عزیز و بیگانہ سب کا ایک رُتبہ تھا۔ جبلہ بن الایہم غسانی شام کا مشہور بادشاہ تھا اور مسلمان ہو گیا تھا۔ کعبے کے طواف میں اُس کی چادر کا کونہ ایک شخص کے پاؤں کے نیچے آگیا۔ جبلہ نے اُس کے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا۔ اُس نے بھی برابر کا جواب دیا۔ جبلہ غصّہ سے بیتاب ہو گیا اور حضرت عمرؓ کے پاس آیا۔ حضرت عمرؓ نے اُس کی شکایت سُن کر کہا کہ "تم نے جو کچھ کیا اس کی سزا پائی"۔ اس کو سخت حیرت ہوئی اور کہا کہ ہم اس مرتبہ کے لوگ ہیں کہ کوئی شخص ہمارے ساتھ گستاخی سے پیش آئے تو قتل کا مستحق ہوتا ہے"۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا جاہلیت میں ایسا ہی تھا لیکن اسلام نے پست و بلند کو ایک کر دیا۔ اس نے کہا کہ اگر اسلام ایسا مذہب ہے جس میں شریف و رذیل کی کچھ تمیز نہیں تو میں اسلام سے باز آتا ہوں۔ غرض وہ چھُپ کر قسطنطنیہ چلا گیا لیکن حضرت عمرؓ نے اس کی خاطر سے قانونِ انصاف کو بدلنا نہیں چاہا۔ (الفاروق۔ ج۲)

ایک دفعہ تمام عہدہ دارانِ مُلکی کو حج کے زمانے میں طلب کیا اور مجمع عام میں کھڑے ہو کر کہا کہ جس کسی کو ان لوگوں سے شکایت ہو پیش کرے۔ اس مجمع میں عمرو بن العاص گورنر مصر اور بڑے بڑے رُتبہ کے حکام اور عمال موجود تھے۔ ایک شخص نے اُٹھ کر کہا کہ فلاں عامل نے بے وجہ مجھے سو دُرّے مارے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "اُٹھ اور اپنا بدلہ لے"۔ عمرو بن العاص نے کہا "امیر المؤمنین! اس طریق سے تمام عمال بے دل ہو جائیں گے"۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "تاہم ایسا ضرور ہوگا۔ یہ کہہ کر پھر مستغیث کی طرف متوجہ ہُوئے کہ "اپنا کام کر"۔ آخر عمرو بن العاص نے مستغیث کو اس بات پر راضی کیا کہ وہ دو سو دینار لے اور اپنے دعوٰی سے باز آجائے۔ (الفاروق بحوالہ کتاب الخراج)

مجلسِ شوریٰ

جب کوئی امر پیش آتا تو ہمیشہ اربابِ شوریٰ کی مجلس منعقد ہوتی تھی اور کوئی امر بغیر مشورہ اور کثرتِ رائے کے عمل میں نہیں آسکتا تھا۔ تمام جماعتِ اسلام میں اس وقت دو گروہ تھے جو کل قوم کے پیشوا تھے اور جن کو تمام عرب نے گویا اپنا قائم مقام تسلیم کر لیا تھا یعنی مُہاجرین و انصار۔ مجلس شوریٰ میں ہمیشہ لازمی طور پر ان دونوں گروہ کے ارکان شریک ہوتے تھے۔ انصار بھی دو قبیلوں میں منقسم تھے — اوس وخزرج چنانچہ ان دونوں خاندانوں کا مجلسِ شوریٰ میں شریک ہونا ضروری تھا مجلسِ شوریٰ کے تمام ارکان کے نام اگرچہ ہم نہیں بتا سکتے، تاہم اس قدر معلوم ہے کہ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، معاذ بن جبلؓ، ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ، اس میں شامل تھے۔ مجلسِ شوریٰ کے انعقاد کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے ایک منادی اعلان کرتا تھا کہ الصلوٰۃ جامعۃ یعنی سب لوگ نماز کے لیے جمع ہو جائیں، جب لوگ جمع ہو جاتے تھے تو حضرت عُمرؓ مسجدِ نبویؐ میں جا کر دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ نماز کے بعد منبر پر چڑھ کر خطبہ دیتے تھے اور بحث طلب امر پیش کیا جاتا۔ (طبقات ابن سعد)

عدل وانصاف

عدل وانصاف کا ایک بڑا لازمہ عام مساوات کا لحاظ ہے یعنی ایوانِ عدالت میں شاہ وگدا، امیر وغریب، شریف ورذیل سب ہم رتبہ سمجھے جائیں۔ حضرت عمرؓ کو اس کا اس قدر اہتمام تھا کہ اس کے تجربے اور امتحان کے لیے متعدد دفعہ خود عدالت میں فریقِ مقدمہ بن کر گئے۔

ایک دفعہ ان میں اور ابی بن کعب میں کچھ جھگڑا تھا۔ ابی نے زید بن ثابت کے ہاں مقدمہ دائر کیا۔ حضرت عمرؓ مدعا علیہ کی حیثیت سے حاضر ہوئے۔ زید نے تعظیم کی حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ تمھارا پہلا ظلم ہے۔ یہ کہہ کر ابی کے برابر بیٹھ گئے۔ ابی کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا اور حضرت عمرؓ کو دعویٰ سے انکار تھا۔ ابی نے قاعدے کے مطابق حضرت عمرؓ سے قسم لینی چاہی لیکن زید نے اُن کے رُتبے کا پاس کر کے ابی سے درخواست کی کہ امیر المومنین کو قسم سے معاف رکھو۔ حضرت عمرؓ اس طرف داری پر نہایت رنجیدہ ہوئے۔ زید کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ جب تک تمھارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمر دونوں برابر نہ ہوں تم منصبِ قضا کے قابل نہیں سمجھے جا سکتے۔

عدالت کے لیے خاص عمارتیں نہیں بنوائیں بلکہ مسجدوں پر اکتفا کیا۔

فتوحات کی وسعت

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقبوضہ ممالک کا کُل رقبہ ۲۲۵۱۰۳۰ مربع میل یعنی مکہ معظمہ سے شمال کی جانب ۱۰۳۶ مشرق کی جانب ۱۰۸۷ جنوب کی جانب ۴۸۳ میل تھا۔ مغرب کی جانب چونکہ صرف جدہ تک حدِ حکومت تھی اس لیے وہ قابلِ ذکر نہیں۔ اس میں شام، مصر، عراق، جزیرہ، خوزستان، عراق، عجم، آرمینیہ، آذربائیجان، فارس، کرمان، خراسان اور مکران جس میں بلوچستان کا بھی کچھ حصہ آجاتا ہے شامل تھا۔ یہ تمام فتوحات خاص حضرت عمرؓ کی ہیں اور اس کی تمام مدت دس برس

سے کچھ ہی زیادہ ہے۔

اس وقت مسلمانوں میں بانیٔ اسلام کی بدولت جو جوش، عزم، استقلال، ہمت، بلند حوصلگی، دلیری پیدا ہو گئی تھی اور جس کو حضرت عمرؓ نے اور زیادہ قوی اور تیز کر دیا تھا۔ رُوم اور فارس کی سلطنتیں عین عروج کے زمانے میں بھی اس سے ٹکر نہیں لے سکتی تھیں۔ البتہ اس کے ساتھ اور چیزیں بھی مل گئی تھیں جنھوں نے فتوحات میں نہیں بلکہ قیامِ حکومت میں مدد دی۔ اس میں سب سے متقدم چیز مسلمانوں کی راست بازی اور دیانت داری تھی۔ جو مُلک فتح ہو جاتا تھا وہاں کے لوگ مسلمانوں کی راست بازی کے اس قدر گرویدہ ہو جاتے تھے کہ باوجود اختلافِ مذہب کے ان کی سلطنت کا زوال نہیں چاہتے تھے۔ یرموک کے معرکے میں مسلمان جب شام کے اضلاع سے نکلے تو تمام عیسائی رعایا نے پکارا کہ خدا تم کو پھر اس مُلک میں لائے اور یہودیوں نے توریت ہاتھ میں لے کر کہا کہ ہمارے جیتے جی قیصر اب یہاں نہیں آ سکتا۔ (الفاروق)

اوّلیات حضرت عُمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱) آپ ہی وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے تاریخ و سال ہجری جاری کیا۔
(۲) بیت المال قائم کیا۔
(۳) ماہِ رمضان میں تراویح کی نماز باجماعت جاری فرمائی۔
(۴) لوگوں کے حالات معلوم کرنے کے لیے راتوں کو آبادی کا گشت کیا۔
(۵) ہجو، مذمت کرنے والے لوگوں کو سزائیں دیں۔
(۶) شراب پینے والے پر اسّی کوڑے لگوائے۔
(۷) متعہ کی حُرمت کو عام کیا اور اسے کسی شخص کے لیے بھی جائز نہ کیا۔
(۸) جن لونڈیوں سے اولاد ہو جاتے ان کی خرید و فروخت ممنوع قرار دے دی۔
(۹) نمازِ جنازہ میں چار تکبیریں پڑھنے کا حکم دیا۔

(۱۰) دفاتر قائم کیے اور وزارتیں معیّن و مقرّر فرمائیں۔

(۱۱) سب سے زیادہ فتوحات حاصل کیں۔

(۱۲) مصر سے بحر آیلہ کے راستے مدینہ منوّرہ غلّہ پہنچانے کا بندوبست فرمایا۔

(۱۳) صدقہ کا مال اسلامی اموریں خرچ کرنے سے روکا۔

(۱۴) ترکہ اور ورثے کے مقرّرہ حصّوں کی تقسیم کا نفاذ فرمایا۔

(۱۵) گھوڑوں پر زکوٰۃ وصول کی۔

(۱۶) آپ نے سب سے پہلے دُرّہ ایجاد کیا۔ آپ کا دُرّہ ایجاد ہونے کے بعد یہ بات ضرب المثل بن گئی کہ عمرؓ کا دُرّہ تمھاری تلواروں سے زیادہ ہیبت ناک ہے۔

(۱۷) شہروں میں قاضی مقرّر فرمائے۔

(۱۸) کوُفہ، بصرہ، جزیرہ، شام، مصر اور موصل کے شہر آباد کیے۔

حضرت عمرؓ کی خلافت میں فروغِ اسلام

بخاریؒ و مسلمؒ نے ابن عمرؓ اور ابو ہریرہؓ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ مَیں نے خواب میں اپنے آپ کو ایک کنویں پر دیکھا جس پر ڈول پڑا ہُوا تھا۔ چنانچہ کنویں سے مَیں نے کئی ڈول کھینچے۔ پھر بھرا ہُوا ایک یا دو ڈول ابوبکرؓ نے کھینچے لیکن اس کام میں انھوں نے کچھ ضعف محسوس کیا (اللہ ان پر کرم فرمائے) پھر عمرؓ آئے اور انھوں نے کئی ڈول کھینچے اور اس طرح کھینچے کہ کسی جواں مرد کو مَیں نے اس طرح ڈول کھینچتے نہیں دیکھا۔ پھر چاروں طرف سے پیاسے لوگ آئے اور خوب سیراب ہُوئے۔ امام نوویؒ تہذیب میں لکھتے ہیں کہ علماء کرام کے خیال میں اس حدیث کا اشارہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافت کی طرف ہے اور اس امر کا اظہار ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں بکثرت فتوحات ہوں گی اور اسلام بہت زیادہ پھیلے گا۔

بخاریؒ و مسلمؒ نے ابن عمرؓ سے ایک دوسرے مقام پر روایت بیان کی ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے خواب دیکھا کہ میں نے دُودھ پیا ہے۔ دُودھ کی تازگی اور خوشبو میرے ناخنوں تک سرایت کر گئی ہے۔ پھر میں نے بچا ہُوا دُودھ عمرؓ کو دے دیا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے دریافت فرمایا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) اس خواب کی تعبیر کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا علم۔

حضرت ابوسعید الخدریؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سُنا کہ "میں نے خواب میں دیکھا کہ لوگوں کو میرے سامنے پیش کیا جا رہا ہے، انھوں نے جو قمیصیں پہن رکھی ہیں وہ بعض کے سینوں تک ہیں اور بعض کی اس سے کچھ زیادہ نیچی ہیں۔ جب عمرؓ پیش کیے گئے تو ان کی قمیص زمین سے گھسٹتی جا رہی تھی"۔ صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ قمیص کیا تھی؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا، دین۔

سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اے عُمرؓ! مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے جس راستے سے تم گزرو گے اُس راستے سے شیطان نہیں گزرے گا بلکہ وہ دوسرے راستے سے جائے گا۔ (تاریخ الخلفاء)

حضرت عمرؓ کا دریائے نیل کے نام خط

جب عمرو بن العاصؓ نے مصر فتح کیا تو ایک مقررہ دن پر اہلِ عجم کا معمول تھا۔ بہت سے لوگ حضرت عمرو بن العاص کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ہماری کھیتی باڑی کا دار و مدار دریائے نیل کے پانی پر ہے۔ جب دریائے نیل خشک ہو جاتا ہے تو ایک قدیم طریقے (ٹوٹکے) کے بغیر اس میں پانی نہیں بڑھتا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے دریافت کیا کہ وہ قدیم طریقہ کیا ہے

انھوں نے کہا جب چاند کی گیارہ تاریخ آتی ہے تو ہم ایک کنواری لڑکی کا انتخاب کرکے اس کے والدین کی رضامندی سے اُسے اعلیٰ درجے کے زیورات اور کپڑے پہناتے ہیں اور پھر اُسے دریائے نیل کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں (پس اس مرتبہ بھی دریا میں پانی نہیں ہے ہمیں بھینٹ چڑھانے کی اجازت دی جائے) حضرت عمرو بن العاصؓ نے کہا کہ یہ تمام لغو اور بے سروپا باتیں ہیں۔ اسلام تو ان تمام باطل باتوں اور واہموں کو مٹانے آیا ہے چنانچہ آپ نے اجازت نہ دی۔ اور دریائے نیل بالکل خشک ہو گیا۔ بہت سے لوگ ترکِ وطن پر آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ عمرو بن العاصؓ نے تمام واقعہ سے حضرت عمرؓ کو آگاہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے جب یہ خط پڑھا تو آپ نے ان کو جواب میں لکھا کہ تم نے مصریوں کو بہت اچھا جواب دیا۔ اسلام ان تمام لغو باتوں کو مٹانے آیا ہے۔ میں اس خط کے ہمراہ ایک رقعہ بھیج رہا ہوں اس کو دریائے نیل میں ڈال دینا۔

جب حضرت عمرو بن العاصؓ کے پاس وہ خط آیا تو آپ نے اس رُقعہ کو پڑھا، اس میں لکھا تھا کہ" بندۂ الٰہی عمرؓ امیر المومنین کی طرف سے دریائے نیل کو معلوم ہو کہ اگر تُو خود بخود جاری ہوتا ہے تو مت جاری ہو اور اگر تجھے اللہ تبارک و تعالیٰ جاری فرماتا ہے تو میں اللہ واحد و قہّار ہی سے استدعا کرتا ہوں کہ تجھے جاری کر دے"۔ فقط

حضرت عمرو بن العاصؓ نے اس رُقعہ کو صلیب ستارہ کے طلوع ہونے کے پہلے دریائے نیل میں ڈال دیا۔ جب اہلِ مصر صبح کو خواب سے بیدار ہوئے تو دیکھا کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح جاری کر دیا ہے کہ معمول سے سولہ گز پانی زیادہ چڑھ گیا ہے اور اُسی دن سے اہلِ مصر کی یہ مذموم اور جاہلانہ رسم بھی ختم ہو گئی۔ (تاریخ الخلفاء)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت

۲۶ ذوالحجہ ۲۳ ھجری مطابق ۶۴۴ء

کُل مدتِ خلافت ۱۰ سال ۶ ماہ ۱۸ دن

مدینہ منوّرہ میں فیروز نامی ایک پارسی غلام تھا جس کی کنیت ابُو لؤلؤ تھی۔ اُس نے ایک دن حضرت عمرؓ سے آکر شکایت کی کہ میرے آقا مغیرہ بن شعبہ نے مجھ پر بہت بھاری محصول مقرّر کیا ہے۔ آپ کم کرا دیجئے۔ حضرت عمرؓ نے تعداد پُوچھی۔ اس نے کہا روزانہ دوؔ درہم۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا تو کون سا پیشہ کرتا ہے۔ بولا کہ نجّاری، نقّاشی، آہنگری۔ فرمایا کہ ان صنعتوں کے معاملہ میں یہ رقم بہت نہیں ہے۔ فیروز دل میں سخت ناراض ہو کر چلا گیا۔

دوسرے روز حضرت عمرؓ صبح کی نماز کے لیے نکلے تو فیروز خنجر لے کر مسجد میں آیا۔ حضرت عمرؓ کے حکم سے کچھ لوگ اس کام پر مقرّر تھے کہ جب جماعت کھڑی ہو تو صفیں درست کریں۔ جب صفیں سیدھی ہو چکتی تھیں تو حضرت عمرؓ تشریف لاتے اور امامت کرتے تھے اس دن بھی حسبِ معمول صفیں درست ہو چکیں تو حضرت عمرؓ امامت کے لیے بڑھے۔ اور جُوں ہی نماز شروع کی فیروز نے دفعتًا گھات میں سے نکل کر چھ وار کیے۔ جن میں سے ایک ناف کے نیچے پڑا۔ حضرت عمرؓ نے فورًا عبد الرحمٰن بن عوف کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ کھڑا کر دیا اور خود زخم کے صدمہ سے گر پڑے۔

عبد الرحمٰن بن عوف نے اس حالت میں نماز پڑھائی کہ حضرت عمرؓ سامنے پڑے تھے۔ فیروز نے اور لوگوں کو بھی زخمی کیا لیکن بالآخر پکڑ لیا گیا اور ساتھ ہی اس نے خودکشی کر لی۔ حضرت عمرؓ کو لوگ اُٹھا کر گھر لائے۔ سب سے پہلے انھوں نے پوچھا کہ میرا قاتل کون تھا۔ لوگوں نے کہا فیروز۔ فرمایا کہ الحمد للہ مَیں ایسے شخص کے ہاتھ سے نہیں مارا گیا جو اسلام کا دعوٰی رکھتا تھا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ زخم چنداں کاری نہیں ہے غالبًا شفا ہو جائے گی۔ چنانچہ ایک طبیب کو بُلایا گیا اس نے نبیذ اور دُودھ پلایا اور دونوں چیزیں زخم سے باہر نکل آئیں۔ اس وقت لوگوں کو یقین ہو گیا کہ وہ اس زخم سے جانبر نہیں ہو سکتے چنانچہ لوگوں نے اُن سے کہا کہ "اب آپ اپنا جانشین منتخب کر جائیے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے فرزند عبد اللہ کو بُلا کر کہا کہ عائشہ کے پاس جاؤ اور کہو کہ

عمرؓ آپ سے اجازت طلب کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کیا جائے
عبداللہ حضرت عائشہؓ کے پاس آئے وہ رو رہی تھیں۔ حضرت عمرؓ کا سلام کہا اور پیغام پہنچایا
حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اس جگہ کو میں اپنے لیے محفوظ رکھنا چاہتی تھی، لیکن آج میں
حضرت عمرؓ کو اپنے آپ پر ترجیح دوں گی۔ عبداللہ واپس آئے۔ لوگوں نے حضرت عمرؓ کو خبر
دی، بیٹے کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا کیا خبر لائے ہو؟ انھوں نے کہا کہ جو آپ چاہتے
تھے۔ فرمایا "یہی سب سے بڑی آرزو تھی" اُس وقت اسلام کے حق میں جو سب سے اہم
کام تھا وہ ایک خلیفہ کا انتخاب کرنا تھا۔ تمام صحابہ بار بار حضرت عمرؓ سے درخواست کرتے
تھے کہ اس مہم کو آپ طے کر جائیں۔ حضرت عمرؓ نے خلافت کے معاملہ پر مدتوں غور کیا تھا
اور اکثر سوچا کرتے تھے۔ بار بار لوگوں نے ان کو اس حالت میں دیکھا کہ سب سے الگ
متفکر بیٹھے ہیں اور کچھ سوچ رہے ہیں۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ خلافت کے بارے میں
متفکر ہیں۔

مدت کے غور و فکر پر بھی اُن کے انتخاب کی نظر کسی شخص پر جمتی نہ تھی۔ بار بار اُنکی
زبان سے بے ساختہ آہ نکل جاتی کہ "افسوس اس بارِ گراں کا کوئی اٹھانے والا نظر نہیں
آتا۔ تمام صحابہ میں اس وقت چھ شخص تھے جن پر انتخاب کی نگاہ پڑ سکتی تھی، علیؓ، عثمانؓ
زبیرؓ، طلحہؓ، سعد بن وقاصؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان میں کچھ نہ
کچھ کمی پاتے تھے اور اس کا اُنھوں نے مختلف موقعوں پر اظہار بھی کر دیا تھا۔ چنانچہ طبری
وغیرہ میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔ مذکورہ بالا بزرگوں میں وہ حضرت علیؓ کو سب سے
بہتر جانتے تھے لیکن بعض اسباب سے اُن کی نسبت بھی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے تھے۔ غرض
وفات کے وقت جب لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ ان چھ شخصوں میں جس کی نسبت کثرتِ
رائے ہو وہ خلیفہ منتخب کر لیا جائے گا۔ تین دن کے بعد داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے۔ محرم
کی پہلی تاریخ بروز ہفتہ ۲۴ھ مدفون ہوئے۔ نماز جنازہ صہیبؓ نے پڑھائی۔ اور وہ

آفتابِ عالمتاب خاک میں چھُپ گیا۔ (ماخوذ الفاروق)

اقوالِ زرّیں حضرت عمرُ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ

(۱) ظالموں کو معاف کرنا مظلوموں پر ظلم ہے۔

(۲) زیادہ ہنسنا موت سے غفلت کی نشانی ہے۔

(۳) عدل مظلوموں کی جنّت اور ظالموں کے لیے جہنّم ہے۔

(۴) کسی کے خلق اور دیانتداری پر اعتماد نہ کرو تاوقتیکہ غصّہ اور طمع کی قوّت سے اُسے نہ دیکھ لو۔

(۵) ہر شے کا ایک حُسن ہوتا ہے اور نیکی کا حُسن یہ ہے کہ فوراً کی جائے۔

(۶) کسی پر لعن طعن نہ کیجئے۔ ایسا کرنے سے آپ کے اندر اجتماعی خرابیاں پیدا ہو جائیں گی۔

(۷) سب سے بڑا ہوشمند آدمی وہ ہے جس کا زادِ راہ خوفِ خدا ہو جس قدر ممکن ہو۔

(۸) گناہ کا ترک کر دینا توبہ کی تکلیف سے زیادہ آسان ہے۔

(۹) آج کا کام کل پر مت چھوڑو۔

(۱۰) فتح اُمید سے نہیں علم اور خدا پر اعتماد سے حاصل ہوتی ہے۔



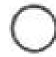
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ ؕ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْہِمْ ؕ

(سورۃ الفتح)

ترجمہ: بے شک وہ جو آپس میں بیعت کرتے ہیں۔ وہ (درحقیقت) اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ اُن کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

(تفسیر حقانی)



فرمانِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق و عثمانِ غنی رضی اللہ عنہم کے بارے میں

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم فرمانے لگے کہ آج کی رات ایک نیک شخص کو خواب میں دکھلایا گیا کہ جیسے ابوبکرؓ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ لٹکے ہوئے یعنی جُڑے ہوئے ہیں اور عمرؓ ابوبکرؓ کے ساتھ لٹکے ہوئے ہیں اور عثمانؓ عمرؓ کے ساتھ لٹکے ہوئے ہیں"۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں جب ہم لوگ (یہ سُن کر) رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی مجلس مبارک سے اُٹھے تو (اپنے اجتہاد اور ظنِ غالب کے مطابق) ہم نے (آپس میں) کہا کہ "نیک شخص" سے مُراد تو خود رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ گرامی ہے اور رہا بعض کا بعض کے ساتھ لٹکنا یعنی جُڑنا تو یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ یہ تینوں حضرات (یعنی ابوبکرؓ، عمرؓ، اور عثمانؓ مذکورہ ترتیب کے مطابق یکے بعد دیگرے) اس مشن کے سربراہ ہوں گے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو اس دُنیا میں بھیجا ہے۔ (ابوداؤد شریف)

سیدنا حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

۲۴ ھ تا ۳۵ ھ مطابق ۶۴۵ء تا ۶۵۵ء

نام و نسب

نام عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی تھا۔
اُن کی والدہ اروٰی بنت کریز بن ربیعہ ابن حبیب بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی تھیں۔۔
اروٰی کی والدہ امِ حکیم تھیں جن کا نام البیضا بنت عبد المطّلب بن ہاشم بن عبد مناف ابن قصی تھا

زمانہ جاہلیت میں عثمانؓ کی کنیت ابو عمرو تھی۔ جب اسلام قبول کیا تو رقیہ بنت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے یہاں ایک بیٹا پیدا ہُوا جس کا نام انھوں نے عبداللہ رکھا اور اسی نام سے اپنی کنیت رکھ لی۔ مسلمانوں نے آپ کو ابُو عبداللہ کے نام سے پکارا۔

(طبقات ابن سعد)

حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمان غنیؓ خلیفہ ہُوئے۔ آپ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاجزادیوں کی شادی ہُوئی تھی۔ اس لیے آپ "ذوالنّورین" کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ حضرت عثمان قریش کی مشہور شاخ بنی اُمیہ سے تھے۔ پانچویں پُشت پر آپ کا نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مِل جاتا ہے۔ بنی امیہ کا خاندان زمانہ جاہلیت سے نہایت معزّز و مقتدر چلا آتا تھا۔ قریش کے خانوادوں میں بنی ہاشم کے سوا کوئی ان کا مدِمقابل نہ تھا قریش کا مشہور عہدہ "عقاب" یعنی فوجی نشان کی علمداری اسی میں تھی۔ حضرت عثمانؓ کے مورثِ اعلیٰ

امیہ بن عبد شمس قریش کے بڑے دبدبہ و شکوہ کے رئیس تھے۔ (تاریخِ اسلام شاہ معین الدین احمد ندوی)

پیدائش

آپ ہجرتِ نبوی کے سینتالیس سال قبل پیدا ہوئے۔ بچپن کے حالات پردۂ خفا میں ہیں۔ معاش کا ذریعہ تجارت تھا اور اس میں اپنی دیانت اور راستبازی سے اتنی ترقی حاصل کرلی تھی کہ قریش کے دولت مند ترین لوگوں میں شمار ہوتا تھا۔ اپنی مال و دولت کی وجہ سے "غنی" کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔

حلیہ مبارک

آپ میانہ قد چیچک زدہ خوبصورت شخص تھے۔ ڈاڑھی گھنی تھی۔ اس کو حنا سے رنگین رکھتے تھے۔ آپ کی ہڈی چوڑی تھی، رنگت میں سُرخی جھلکتی تھی، پنڈلیاں بھری بھری تھیں، ہاتھ لمبے لمبے تھے، جسم پر بال تھے، سر کے بال گھنگھریالے تھے۔ دونوں شانوں میں زیادہ فاصلہ تھا، دانت بہت خوبصورت تھے۔ کنپٹی کے بال بہت نیچے تک آتے ہوئے تھے۔ حضرت عبداللہ حزم کا قول ہے کہ میں نے حضرت عثمانؓ سے زیادہ خوبصورت کسی مرد یا عورت کو نہیں دیکھا۔ (تاریخِ اسلام مولانا اکبر شاہ خاں)

قبولِ اسلام

آپ اور طلحہؓ بن عبیداللہ زبیرؓ بن العوام کے نشانِ قدم پر نکلے۔ دونوں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے۔ آپؐ نے دونوں پر اسلام پیش کیا۔ اُنھیں قرآن پڑھ کر سُنایا۔ حقوقِ اسلام سے آگاہ کیا اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے بزرگی کا وعدہ کیا۔ تو دونوں ایمان لے آئے اور تصدیق کی۔

حضرت عثمانؓ نے کہا یا رسُول اللہؐ! میں حال ہی میں شام سے آیا ہوں۔ ہم لوگ معان اور الزرقا کے درمیان قریب قریب سو رہے تھے کہ ایک منادی ہمیں پکارنے لگا کہ اے سونے والو! جلدی ہوا کی طرح چلو۔ کیونکہ احمد مکے میں آگئے۔ یہاں آئے تو ہم

نے آپ کو سُنا۔

عثمان رضی اللہ عنہ کا اسلام قدیم تھا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دارالارقم میں داخل ہونے سے پہلے آپ مسلمان ہوئے۔ (طبقات ابن سعد)

قبولِ اسلام سے حضرت عثمانؓ پر جبر و تشدّد

حضرت عثمانؓ اسلام لائے تو انھیں اُن کے چچا حکم بن ابی العاص بن امیہ نے گرفتار کر لیا۔ انھیں رسّی سے باندھ دیا اور کہا کہ کیا تم اپنے باپ دادا کے دین سے نئے دین کی طرف پھرتے ہو۔ واللہ میں تمھیں کبھی نہ کھولوں گا تاوقتیکہ تم اس دین کو ترک نہ کر دو جس پر ہو۔ عثمانؓ نے کہا واللہ میں اسے کبھی ترک نہ کروں گا اور نہ اس سے ہٹوں گا۔ جب الحکم نے اپنے دین میں ان کی سختی دیکھی تو انھیں چھوڑ دیا۔

حالات بعد از اسلام

مسلمان ہوتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کا نکاح ان کے ساتھ کر دیا اور جب کفارِ مکّہ نے مسلمانوں کی ایذا رسانی پر کمر باندھی تو یہ مع حضرت رقیہ کے ہجرت کر کے ملک حبش چلے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت صدیقؓ سے فرمایا کہ عثمانؓ پہلے شخص ہیں جنھوں نے حضرات ابراہیم ولوط علیہما السلام کے بعد مع اپنے اہلِ بیت کے ہجرت کی۔

جب حضرت رقیہؓ کی وفات ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ میں اس کی بہن اِم کلثومؓ کا نکاح کر دوں۔ پھر جب حضرات اِم کلثوم کی وفات ہُوئی تو آپؐ نے فرمایا کہ میری اور کوئی بیٹی باقی ہوتی تو میں اُس کا نکاح بھی عثمانؓ کے ساتھ کر دیتا۔

مالی خدمتیں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت کیں اور بڑی اچھی اچھی دُعائیں

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حاصل کیں۔ ازاں جملہ غزوۂ تبوک میں علاوہ اس کے جو سامان جہاد کے لیے دیا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اور آپ کے اصحاب کے لیے کھانے کا سامان حاضر کیا جو کئی اونٹوں پر لدا ہوا تھا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر تین دفعہ فرمایا کہ یا اللہ! عثمان سے میں راضی ہوں۔ تو بھی ان سے راضی رہ اور صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ تم بھی عثمان کے لیے دُعا کرو۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب نے دُعا مانگی۔

ازاں جملہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں چار دن پے در پے فاقے پیش آگئے اور آپؐ کی اور آپؐ کے اہلِ بیت کی بوجہ ضعف کے عجیب حالت ہو گئی۔ حضرت عثمانؓ کو اس کی خبر ہوئی تو انھوں نے کئی بوری آٹا اور کئی بوری گیہوں اور چھوہارے اور ایک بکری کا گوشت اور تین سو روپے بھیجے اور ان کے ساتھ ہی یہ کہلا بھیجا کہ اس کے پکانے میں دیر ہو گی میں پکا ہوا کھانا بھی بھیجتا ہوں چنانچہ بہت سی روٹیاں اور بھنا ہوا گوشت تیار کرا کر بھیجا۔ اس وقت بھی رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایسی ہی دُعائیں دیں۔ اس قسم کی خدمات وقتاً فوقتاً ان سے ظہور میں آتی رہیں۔

ایک مدت تک کتابتِ وحی کی خدمت ان کے سپرد رہی اور یہ وہ تھی جس کے انجام دینے والوں کی تعریف قرآن میں آئی ہے۔ کتابتِ وحی کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نجی خطوط لکھنا بھی ان سے متعلق تھا۔

تمام اعمالِ صالحہ میں آپ کو منجانب اللہ توفیق عطا ہوتی تھی۔ نمازِ تہجد کی یہ حالت تھی کہ رات کو بہت تھوڑی دیر سوتے تھے اور قریب قریب پوری رات نماز میں صرف ہوتی تھی۔ صائم الدہر تھے۔ سوائے ایامِ ممنوعہ کے کسی دن روزہ کا ناغہ نہ ہوتا تھا جس دن شہید ہوئے اس دن بھی روزہ سے تھے۔

صدقہ دینے اور خیرات کرنے میں تو گویا تیز آندھی تھے۔ ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد

کرنے کا معمول تھا۔ اور اگر کسی جمعہ کو غلام نہ ملتا تو دوسرے جمعہ کو دو آزاد کر دیتے تھے آپ کی سخاوت و خیرات کے عجیب عجیب واقعات منقول ہیں۔ ازاں جملہ یہ کہ ایک مرتبہ حضرت صدیق رضؓ کے زمانے میں سخت قحط پڑا۔ لوگ بہت پریشان تھے۔ ایک روز حضرت صدیق رضؓ نے فرمایا کہ آج شام تک اللہ تمہاری پریشانی دُور کر دے گا۔ چنانچہ حضرت عثمان رضؓ کے ایک ہزار اونٹ غلہ کے آئے اور مدینہ کے تاجر حضرت عثمان رضؓ کے پاس خریداری کے لیے پہنچے۔ حضرت عثمان رضؓ نے پوچھا کہ اچھا ملک شام کی خریداری پر تم لوگ کس قدر نفع دو گے؟ تاجروں نے کہا دس روپے پر بارہ روپے۔ حضرت عثمان رضؓ نے کہا مجھے اس سے زیادہ ملتا ہے آخر ہوتے ہوتے ان تاجروں نے کہا جو مال آپ نے دس روپے میں خریدا ہے۔ اس کی قیمت ہم پندرہ روپے دیں گے۔ حضرت عثمان رضؓ نے کہا مجھے اس سے بھی زیادہ مل رہا ہے۔ تاجروں نے کہا وہ زیادہ دینے والا کون ہے؟ مدینہ کے تاجر تو ہم لوگ ہیں۔ حضرت عثمان رضؓ نے فرمایا مجھے ایک روپے کے مال کی دس روپے قیمت مل رہی ہے۔ کیا تم اس سے زیادہ دے سکتے ہو؟ تاجروں نے انکار کر دیا تو حضرت عثمان رضؓ نے فرمایا کہ تم لوگوں کو میں گواہ کرتا ہوں کہ میں نے یہ سب غلہ اللہ کی راہ میں فقرائے مدینہ کو دے دیا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضؓ کہتے ہیں کہ اس روز میں نے رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ ایک سفید رنگ کے تُرکی گھوڑے پر سوار ہیں اور ایک نور کا لباس زیب بدن ہے اور جانے کی عجلت فرما رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسُول اللہؐ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں مجھے آپ کی زیارت کا بڑا اشتیاق تھا تو آپؐ نے فرمایا اس وقت مجھے جانے کی جلدی ہے اس لیے کہ عثمان رضؓ نے ایک ہزار اُونٹ غلہ کے خیرات کے لیے دیے ہیں اور خُدا نے قبول فرما لیا ہے لہٰذا جنت میں ایک حُور سے ان کا نکاح ہوگا اور ان کی محفلِ عروسی میں مجھے شریک ہونا ہے۔

جب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو میٹھے پانی کی

آپؐ کو اور آپؐ کے اصحاب کو بڑی تکلیف تھی۔ صرف ایک میٹھا کنواں تھا جس کا نام بئر رومہ تھا اور وہ ایک یہودی کے قبضہ میں تھا وہ اس کا پانی جس قیمت میں چاہتا تھا بیچتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جو شخص اس کنویں کو خرید کر اللہ کی راہ میں وقف کر دے اس کو جنّت ملے گی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اُسے خرید کر وقف کر دیا۔

مسجدِ نبویؐ پہلے بہت چھوٹی تھی۔ ایک زمین اس کے قریب فروخت ہو رہی تھی۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا جو شخص اس زمین کو خرید کر میری مسجد میں شامل کر دے، اس کو جنّت مِلے گی۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے بیس[۲۰] ہزار یا پچیس[۲۵] ہزار رُوپے میں وہ زمین خرید کر مسجد میں شامل کر دی۔

جب ہجرت کے بعد غزوات کا سلسلہ شروع ہُوا تو بدر سے لے کر تبوک تک تمام غزوات میں شریک رہے۔

غزوہ بدر

جب غزوہ بدر پیش آیا تو حضرت رقیہؓ بہت بیمار تھیں۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اے عثمان! تم رقیہ کی تیمارداری کرو تم کو شرکتِ بدر کا ثواب ملے گا چنانچہ یہ نہ گئے اور تیمارداری میں مشغول رہے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان کو بدریوں میں شمار فرمایا اور بدر کے مال میں سے ان کو حصّہ دیا۔

عبداللہ بن مکنف بن حارثہ انصاری فرماتے ہیں کہ جب رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم بدر کی طرف روانہ ہُوئے تو آپؐ نے عثمانؓ کو اپنی بیٹی رقیہ کی تیمارداری کے لیے چھوڑ گئے جو مریضہ تھیں۔ رقیہؓ اسی روز انتقال کر گئیں جس روز زید ابن حارثہ مدینے میں اس فتح کی خوشخبری لائے جو اللہ نے رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بدر میں دی۔ آپؐ نے حضرت عثمانؓ کا حصّہ اور ثواب بدر میں لگایا۔ وہ انہی کے مثل ہوں گے جو وہاں حاضر تھے۔

(طبقات ابن سعد)

بیعتِ رضوان

صُلح حدیبیہ میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان کو اپنی طرف سے منصبِ سفارت پر مقرّر کر کے مکّہ بھیجا۔ کفارِ مکّہ نے ان کو قید کر لیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیے گئے۔ آپ کو بڑا صدمہ ہُوا اور انتقام کے لیے آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے موت کی بیعت لی۔

دورانِ بیعت خبر ملی کہ حضرت عثمانؓ زندہ ہیں مگر قید میں۔ یہ خبر سُن کر آپؐ نے ایک ہاتھ کو حضرت عثمانؓ کا ہاتھ قرار دیا اور دوسرے ہاتھ پہ رکھ کر فرمایا کہ یہ بیعت حضرت عثمانؓ کی طرف سے ہے۔ اسی بیعت کا نام بیعتِ رضوان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں اس بیعت کے کرنے والوں کے حق میں فرمایا کہ ہم ان سے راضی ہو گئے۔ حضرت عثمانؓ کا حصّہ اس بیعت میں سب سے زیادہ رہا کیونکہ انھوں نے رسُولؐ کے ہاتھ سے رسُولؐ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

غزوۂ تبوک

غزوۂ تبوک میں سب سے بڑا کام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا اس غزوہ کے زمانے میں مسلمانوں پہ افلاس طاری تھا۔ اسی وجہ سے اس غزوہ کا نام جیش العسرۃ رکھا گیا تھا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جو شخص اس لشکر کا سامان درست کر دے اس کو جنّت ملے گی۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ یا رسُول اللہؐ! مَیں دو سو اونٹ دوں گا۔ تیسری مرتبہ پھر رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے ترغیب دی تو حضرت عثمانؓ پھر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے یا رسُول اللہ! مَیں تین سو اونٹ دوں گا۔ چوتھی مرتبہ پھر رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تو یہ اپنے گھر گئے اور ایک ہزار اشرفیاں لا کر رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کے دامن میں ڈال دیں۔ آنحضرتؐ منبر پہ کھڑے تھے بیٹھ گئے اور ان اشرفیوں کو ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ پر ڈالتے تھے اور فرماتے تھے کہ ماضر

عثمان ما عمل بعد الیوم یعنی آج کے بعد عثمانؓ جو چاہیں کریں کوئی کام انکو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

عدل و انصاف

عدل و انصاف اور خوفِ خدا کی یہ حالت تھی کہ ایک مرتبہ تنبیہاً آپ نے اپنے ایک غلام کا کان مروڑ دیا تھا۔ اس سے فرمایا کہ تم مجھ سے قصاص لے لو، تم بھی میرا کان مروڑ دو، اس نے حکم کی تعمیل کے لیے آپ کا کان اپنے ہاتھ میں لے لیا آپ نے فرمایا زور سے مروڑو، میں نے زور سے مروڑا تھا۔ دُنیا میں قصاص کا ہو جانا آخرت کے قصاص سے بہتر ہے۔ (خلفائے راشدین)

خلافت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے تین دن بعد آپ سے بیعت کی گئی۔ کہتے ہیں کہ اس عرصہ میں لوگ حضرت عبد الرحمٰنؓ بن عوف سے مشورے کرتے رہے اور آپ کے پاس آتے جاتے رہے۔ جو صائب الرائے شخص تخلیہ میں حضرت عبد الرحمٰنؓ بن عوف سے مشورہ کرتا وہ یہی رائے دیتا کہ خلافت حضرت عثمانؓ کو ملنی چاہیئے۔ آخر کار حضرت عبد الرحمٰنؓ بن عوف بیعت لینے کے لیے بیٹھے اور حمد و ثنا کے بعد آپ نے فرمایا کہ لوگ حضرت عثمانؓ سے بیعت کے سوا کسی اور کی بیعت پر راضی نہیں ہیں۔ (تاریخ الخلفاء بحوالہ ابن عساکر)

ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت عبد الرحمٰنؓ بن عوف نے حمد و صلوٰۃ کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے علیؓ! میں نے تمام لوگوں کی رائے معلوم کر لی ہے۔ سب کی رائے حضرت عثمانؓ کے لیے ہے۔ اب آپ اپنے لیے کوئی کارروائی نہ کیجئے۔ آپ نے یہ کہہ کر حضرت عثمانؓ کا دستِ مبارک پکڑ کر کہا کہ میں آپ سے سنت اللہ سنت رسول اللہ اور ہر دو خلفاءؓ کی سنت پر بیعت کرتا ہوں۔ اس طرح پہلے آپ نے

بیعت کی اور پھر تمام مہاجرین و انصار نے آپ سے بیعت کی۔ (تاریخ الخلفاء)

عہدِ صدیقی اور عہدِ فاروقی میں مجلسِ شوریٰ کے رُکن تھے اور اپنے مفید مشوروں سے اسلام اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچاتے تھے۔ ان کی خدمات اسلامی اور سبقت فی الاسلام کی بنا پر حضرت عمرؓ نے وفات کے وقت ان چھ آدمیوں میں جنھیں آپ نے اپنے بعد خلافت کے لیے نامزد کیا تھا۔ ایک نام آپ کا بھی تھا۔ حضرت عمرؓ کی تجہیز و تکفین سے فراغت کے بعد آپ کی وصیت کے مطابق حضرت مقدادؓ نے چھ آدمیوں کو سور بن مخرمہ کے گھر میں یکجا کیا مگر کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ تیسرے دن حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے فرمایا انتخاب کی صُورت یہ ہے کہ چھ کی تعداد کو اور کم کر دیا جائے اور جو شخص جسے زیادہ اہل سمجھتا ہو اس کا نام پیش کر دے۔ اس تجویز پر حضرت سعدؓ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کا نام پیش کیا لیکن آپ نے اپنا نام واپس لے لیا اور حضرت طلحہؓ نے حضرت عثمانؓ کا اور حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ کا نام پیش کیا۔ اس تحریک پر حضرت عبدالرحمٰنؓ نے فرمایا کہ صرف دو دن رہ گئے ہیں ان دونوں میں سے جو شخص کتاب اللہ، سُنّتِ رسول اللہ ﷺ اور سُنّتِ شیخین پر چلنے کا عہد کریگا اس کے ہاتھ پر بیعت کی جائیگی اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ سے فرمایا کہ اگر آپ دونوں حضرات اس کا فیصلہ میرے اوپر چھوڑ دیں تو زیادہ مناسب ہے۔ دونوں راضی ہو گئے۔ ان سے اجازت لینے کے بعد انھوں نے مسجدِ نبویؐ میں مسلمانوں کو جمع کر کے ایک مؤثر تقریر کی اور حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ آپ کی بیعت کے بعد حضرت علیؓ نے ہاتھ بڑھایا۔ آپ کے بیعت کرتے ہی ساری خلقت ٹوٹ پڑی۔ بیعت عام کے بعد محرم ۲۴ھ میں حضرت عثمانؓ مسندِ خلافت پر متمکن ہُوئے۔

(تاریخِ اسلام شاہ معین الدین احمد ندوی بحوالہ طبقات ابن سعد)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے حضرت عثمانؓ سے بیعت کیوں کی اور حضرت علیؓ کو کیوں چھوڑ دیا، اُن سے بیعت کیوں

نہیں کی۔ تو آپ نے جواب دیا کہ اس میں میرا کچھ قصور نہیں۔ میں نے تو اوّلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی سے کہا کہ میں آپ سے کتابُ اللہ، سنّتِ رسول اللہؐ اور سُنّت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر بیعت کرتا ہوں تو انھوں نے فرمایا مجھ میں اس کی استطاعت نہیں ہے۔ پھر میں نے حضرت عثمانؓ سے یہی باتیں کہیں تو انھوں نے جواب دیا بہت اچھا (یعنی ان کو قبول کر لیا) (مسند امام احمد)

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کہتے ہیں کہ میں نے تخلیہ میں حضرت عثمانؓ سے کہا کہ اگر میں آپ کی بیعت نہ کروں تو آپ مجھے کس کی بیعت کرنے کا مشورہ دیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت علیؓ سے۔ پھر میں نے حضرت علیؓ سے اسی طرح تخلیہ میں کہا کہ اگر میں آپ سے بیعت نہ کروں تو آپ مجھے کس سے بیعت کرنے کا مشورہ دیں گے تو انھوں نے کہا حضرت عثمانؓ سے۔ میں نے اسی طرح زبیرؓ کو بُلا کر پوچھا کہ اگر میں آپ سے بیعت نہ کروں تو آپ مجھے علیؓ یا عثمانؓ میں سے کس سے بیعت کرنے کا مشورہ دیں گے۔ انھوں نے کہا علیؓ سے یا عثمانؓ سے۔ پھر میں نے حضرت سعدؓ کو بُلایا اور کہا میرا اور آپ کا ارادہ تو خلافت کرنے کا ہے نہیں لیکن آپ مجھے کس سے بیعت کرنے کا مشورہ دیتے ہیں تو انھوں نے فرمایا حضرت عثمانؓ سے۔ اس کے بعد میں نے تمام اصحاب اور اعیان سے مشورہ کیا تو اکثریت کی رائے حضرت عثمانؓ کی طرف پائی۔

(تاریخ الخلفاء)

آپ کے دورِ خلافت کے اہم واقعات و فتوحات

۲۴ھ اس سال مُلک رُوم کا ایک وسیع رقبہ فتح کر لیا گیا۔ اسی سال حضرت عثمانؓ نے حضرت مغیرہ کو کُوفہ کی گورنری سے معزول کر کے ان کی جگہ سعدؓ بن وقاص کو بھیج دیا۔

۲۵ھ میں حضرت عثمان غنیؓ نے حضرت سعد کو بھی کوفہ کی گورنری سے معزول

کر کے ان کی جگہ ایک صحابی ولید بن عقبہ بن ابی محیط کو (جو آپ کی ماں کی طرف سے بھائی تھے) متقرر کر دیا۔ یہ آپ پر اقربا نوازی کے الزامات عائد ہونے کی ابتدا تھی۔ کہتے ہیں کہ یہ ولید مے نوش (شرابی) تھا۔ ایک روز صبح کی نماز نشہ کی حالت میں پڑھائی۔ اور چار رکعتیں پڑھ کر سلام پھیرا اور پھر مقتدیوں سے کہا کہ اگر کہو تو نماز اور پڑھا دوں۔

سنہ ۲۶ھ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کچھ مکانات خرید کر مسجدِ حرام کو مزید وسیع بنایا۔ اسی سال شہر سابور فتح ہُوا۔

سنہ ۲۷ھ میں امیر معاویہ نے جہاز کے ذریعہ لشکر لے جا کر قبرص پر حملہ کیا۔ اس لشکر میں (مشہور صحابی) حضرت عبادۃ بن صامت اپنی بیوی ام حرام بنت ملحان انصاریہ کے ساتھ موجود تھے۔ آپ کی بیوی بار بردار جانور سے گر گئیں اور اسی صدمہ سے ان کا انتقال ہو گیا اور ان کو وہیں (قبرص) میں دفن کر دیا۔ اس لشکر کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ اس لشکر میں عبادہؓ کی بیوی بھی ہو گی اور اس کی قبر قبرص ہی میں بنے گی۔ چنانچہ پیشین گوئی پوری ہُوئی۔ اسی سال جرجان اور دار الجبرد فتح ہوئے۔ اسی سال حضرت عثمانؓ نے عمرو بن العاص کو مصر کی گورنری سے معزول کر کے ان کی جگہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو متقرر کیا۔ انھوں نے مصر پہنچ کر افریقیہ پر حملہ کیا اور اس کو فتح کر کے تمام مملکت کو ممالکِ محروسہ میں شامل کر لیا۔ اس جنگ میں اس قدر مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا کہ ہر سپاہی کو ایک [illegible] دینار ملے۔ اس عظیم فتح کے بعد اسی سال ملک اُندلس (اسپین ہسپانیہ) بھی فتح ہو گیا۔

(تاریخ الخلفاء)

نظامِ خلافت

نظامِ خلافت حضرت عمرؓ ہی کے عہد میں اتنا مکمل ہو چکا تھا کہ اس میں ترقی کی گنجائش بہت کم تھی۔ حضرت عثمانؓ نے اس کو علیٰ حالہٖ قائم رکھا البتہ انتظامی ضروریات اور حالات کے مطابق اس میں بعض تبدیلیاں کیں اور جن شعبوں میں

ترقّی کی گنجائش تھی ان کو ترقّی دی۔

مجلسِ شوریٰ

گو عثمانی دور میں عہدِ فاروقی کی طرح شوریٰ کا اہتمام نہ رہ گیا تھا لیکن اہم امور میں حضرت عثمانؓ اکابر صحابہ اور عمّالِ حکومت سے مشورہ فرماتے تھے۔ انقلاب کے حالات میں مُلک کی صلاح وفلاح اور فتنہ وفساد کی بیخ کنی کے لیے بھی اکابر صحابہؓ اور عمّالِ حکومت سے صلاح ومشورہ کیا کرتے تھے۔

شہادت

ایک غافقی آپ پر حملہ آور ہُوا اور کلامِ پاک کو پاؤں سے ٹھکرا دیا۔ ایک دوسرے شخص کنانہ بن بشر نے اس زور سے پیشانی پر لوہے کی لاٹ ماری کہ حضرت عثمانؓ چکرا کر پہلو کے بل گر پڑے۔ زبان مبارک سے بسم اللہ توکلت علی اللہ نکلا اور خون کا فوّارہ کلام اللہ کے اوراق پر جاری ہوگیا۔ اس کے بعد ہی عمرو بن الحمق نے سینہ پر چڑھ کر مسلسل کئی وار کیے۔ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت نائلہؓ سے نہ دیکھا گیا۔ وہ بےتابانہ بچانے کے لیے دوڑیں۔ اُن کی تین انگلیاں ہتھیلی سے اُڑ گئیں اور سودان بن حمران نے لپک کر شہید کر دیا۔ شہادت کے وقت آپ یہ آیت تلاوت کر رہے تھے۔ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۔

تجہیز وتکفین

یہ حادثہ جمُعہ کے دن ۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو پیش آیا۔ مدینہ پر باغیوں کا قبضہ تھا، بدامنی کی وجہ سے کسی کو گھر سے نکلنے کی ہمّت نہ پڑتی تھی۔ دو دن تک لاش مبارک بے گور وکفن پڑی رہی۔ دُوسرے دن یعنی ہفتہ کی شام کو چند آدمیوں نے جان پر کھیل کر تجہیز وتکفین کی ہمّت کی۔ شہادت کی طہارت غسل سے بے نیاز تھی۔ چنانچہ انہی خون آلوُد کپڑوں میں چار آدمیوں نے جنازہ اٹھایا۔ باختلافِ روایت حضرت زبیرؓ بن عوام

یا جبیر بن مطعم نے نماز جنازہ پڑھائی اور قابل سے مراکش تک کے فرمانروا کو سترہ آدمیوں کی مختصر جماعت نے خفیہ جنّت البقیع سے متصل حش کوکب میں سپُردِ خاک کیا اور باغیوں کے خوف سے قبر کا نشان چھُپا دیا۔ شہادت کے وقت عمر ۸۲ سال تھی۔

(تاریخ اسلام معین الدین بحوالہ ابن سعد)

حضرت عثمانؓ کے خصائل

آپؓ نے فرمایا :

(۱) مَیں اسلام قبول کرنے والا چوتھا شخص ہُوں۔

(۲) رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یکے بعد دیگرے اپنی دو صاحبزادیوں کو میرے عقد میں دیا۔

(۳) مَیں کبھی گانے بجانے میں شریک نہیں ہُوا۔

(۴) مَیں کبھی لہو ولعب میں شریک نہیں ہُوا۔

(۵) مَیں نے کبھی کسی بُرائی اور بدی کی تمنّا نہیں کی۔

(۶) رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم سے بیعت کرنے کے بعد مَیں نے کبھی اپنا سیدھا ہاتھ اپنی شرم گاہ کو نہیں لگایا۔

(۷) اسلام لانے کے بعد مَیں نے ہر جمعہ کو اللہ کے لیے ایک غلام آزاد کیا۔ اگر اُس وقت ممکن نہ ہُوا تو بعد میں آزاد کیا۔

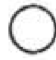
(۸) عہدِ جاہلیّت اور زمانۂ اسلام میں کبھی چوری نہیں کی۔

(۹) رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے فرمان کے مطابق مَیں نے قرآن شریف جمع کیا۔

(تاریخ الخلفاء)

اقوالِ زرّیں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ

حقیر سے حقیر پیشہ ہاتھ پھیلانے سے بدرجہا بہتر ہے۔
تعجب ہے اُس پر جو موت کو حق جانتا ہے اور پھر ہنستا ہے۔
زبان کی لغزش قدموں کی لغزش سے زیادہ خطرناک ہے۔
دُنیا جس کے لیے قید ہے قبر اُس کے لیے آرام گاہ ہے۔
بعض اوقات جُرم معاف کرنا مجرم کو زیادہ خطرناک بنا دیتا ہے۔
خاموشی غصّے کا بہترین علاج ہے۔
حاجت مند غربا، کا تمھارے پاس آنا خدائے پاک کا انعام ہے۔
مت رکھ اُمید کسی سے مگر اپنے رب سے اور مت ڈر کسی سے مگر اپنے گناہ سے۔
اپنا بوجھ خلقت میں سے کسی پر نہ رکھ خواہ کم ہو یا زیادہ۔
عقل مند کہتا ہے مَیں کچھ نہیں جانتا لیکن بیوقوف کہتا ہے مَیں سب کچھ جانتا ہوں



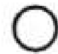
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ

(سورۃ التوبۃ)

ترجمہ: اور جو لوگ قدیم میں سب سے پہلے ہجرت کرنیوالے اور مدد کرنے والے اور جو ان کے پیرو ہوئے نیکی کے ساتھ، اللہ راضی ہوا اُن سے اور وہ راضی ہوئے اُس سے۔

(تفسیر عثمانی)



رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا :
" تم میرے لیے ایسے ہی ہو جیسے موسیٰ علیہ السلام کے لیے ھارون علیہ السلام تھے۔ بس فرق یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہو گا۔"

(بخاری و مسلم)



سیدنا حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

۳۵ھ تا ۴۰ھ مطابق ۶۵۶ء تا ۶۶۱ء

نام و نسب

علی ابن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ۔

آپؓ کا ایک نام حیدر بھی ہے۔ حیدر در اصل حضرت علی کے نانا اسد کا نام تھا۔۔ جب آپ پیدا ہوئے تو اُسی وقت آپ کی والدہ فاطمہ بنت اسد نے آپ کا نام اپنے باپ کے نام پر حیدر رکھا تھا۔ پھر بعد میں ابو طالب نے اپنی طرف سے بیٹے کا نام "علی" رکھا۔ جیسا کہ ایک روایت میں آیا ہے حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے : خود میرے نزدیک " ابوتراب " سے پسندیدہ کوئی نام نہیں ہے۔

کنیت

" ابوتراب " سیدنا علیؓ کی کنیت ہے اور یہ کنیت اس طرح پڑی کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت علیؓ

گھر میں نہیں ہیں۔ پوچھا علی کہاں ہیں۔ حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا۔ میرے اور انکے درمیان کچھ اَن بَن ہو گئی تھی۔ اسی غصہ میں گھر سے چلے گئے ہیں۔ آج تو انھوں نے اس گھر میں قیلولہ بھی نہیں کیا۔ آنحضرتؐ نے بھی حضرت انسؓ کو حکم دیا کہ جاکر دیکھو علیؓ کہاں ہیں۔ حضرت انسؓ نے بتایا کہ یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ تو مسجد میں سوئے ہُوئے ہیں۔ آنحضرتؐ فوراً مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت علیؓ مسجد کی دیوار سے لگے ہُوئے ننگی زمین پر لیٹے محوِ خواب ہیں۔ چادر کاندھے سے کھسک کر الگ ہو گئی تھی اور پیٹھ اور پہلو پر مٹی لگی ہُوئی تھی۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جسم کے اوپر سے مٹی صاف کرتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے۔ اُٹھو اے ابُو تراب اُٹھو۔ جبھی سے حضرت علیؓ کی کنیت "ابُو تراب" مشہور ہو گئی

(مظاہر حق ج ۲)

بچپن

بچپن ہی سے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے بلکہ آپؐ ہی کی آغوشِ محبت میں پرورش پائی اور آپؐ نے ان کے ساتھ بالکل فرزند کی طرح معاملہ کیا اور اپنی دامادی کا شرف بھی ان کو بخشا۔ جناب سیّدہ حضرت فاطمۃ الزہراءؓ جو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پیاری بیٹی تھیں، آپ کے نکاح میں آئیں اور اُن سے آپکی اولاد ہوئی

قبولِ اسلام

آپ قبل بلوغ بچپن میں اسلام لائے۔ ابو یعلیٰ خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ "رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیر کے روز مبعوث ہوئے، اور دُوسرے دن منگل کو میں مسلمان ہُوا" جس وقت آپ ایمان لائے اس وقت آپؓ کی عُمر شریف دس سال تھی بلکہ بقول بعض نو سال اور بعض آٹھ سال اور کچھ اس سے بھی کم بتاتے ہیں۔ حسن بن زید فرماتے ہیں کہ آپ نے صغر سنی میں بھی کبھی بُت پرستی نہیں کی

(تاریخ الخلفاء، طبقات ابن سعد)

ایک مرتبہ آپ کے والد ابُو طالب نے آپ کو رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو پوچھا کہ یہ کیا کر رہے ہو۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو جواب دیا اور ان کو دینِ اسلام کی طرف بُلایا تو ابُوطالب کہنے لگے کہ اس کام میں کوئی بُرائی تو نہیں ہے مگر اللہ کی قسم مجھ سے سرین اُوپر نہ کیے جاسکیں گے۔ حضرت علیؓ اپنے والد کے اس مقولہ کا ذکر کرکے اکثر ہنسا کرتے تھے۔ (خلفائے راشدین)

قبولِ اسلام کے بعد حضرت علیؓ پند و واعظ کے جلسوں اور تبلیغ اسلام کے مجمعوں میں ہر وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔ بعثت کے چوتھے سال جب قریبی اعزہ کو عذابِ الٰہی سے ڈرانے کا حکم نازل ہُوا اور آپؐ نے اس کی تعمیل کے لیے کوہِ صفا پر اپنے خاندان والوں کو جمع کیا اور ان سے فرمایا کہ "اے بنی مطّلب! میں تمھارے سامنے دُنیا و آخرت کی بہترین نعمت پیش کرتا ہوں۔ تم میں سے کون میرا ساتھ دیتا ہے اور کون میرا معاون و مددگار بنتا ہے" تو اس کے جواب میں صرف ایک آواز آئی کہ "گو میں چھوٹا ہوں اور میری ٹانگیں کمزور ہیں تاہم میں آپؐ کا معاون و مددگار اور قوت و بازو بنوں گا"۔ یہ آواز علیؓ ابن ابی طالب کی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ اس سوال کو دُہرایا۔ اس کے جواب میں ہر مرتبہ علیؓ ہی کی آواز آئی۔ اس صلہ میں آپؐ نے ان کو یہ اعزاز بخشا کہ "تم میرے وارث اور بھائی ہو"۔ یہ صرف زبانی دعویٰ نہ تھا، عمل اس سے کچھ بڑھ کر بھی تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری خدمت یعنی آپؐ کے غسل اور تجہیز و تکفین وغیرہ کی سعادت بھی آپؓ ہی کے حصہ میں آئی۔ غرض شروع سے آخر تک آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست و بازو رہے۔ آپ دونوں خلفاء کے دور میں مجلسِ شوریٰ کے رُکن رہے۔ اور اپنے مشوروں سے خلافتِ اسلامیہ کو بہت فائدہ پہنچایا۔ جب تک بس چلا، حضرت عثمانؓ کی بھی حمایت کرتے رہے۔ (تاریخِ اسلام۔ معین الدین احمد ندوی)

خلافت

بیعتِ خلافت: حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد تین دن تک مسندِ خلافت

خالی رہی۔ مدینہ میں شورِ قیامت بپا تھا۔ ہر طرف باغی چھائے ہوئے تھے لیکن خلافت کا انتظام بہر حال ضروری تھا، اس وقت اکابر صحابہؓ میں ایک حضرت علیؓ ہی کی ذات ایسی تھی جس پر سب کا اتفاق ہو سکتا تھا۔ چنانچہ مہاجرینؓ و انصارؓ جن میں حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ بھی تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ خلیفہ کا انتخاب ضروری ہے۔ حضرت علیؓ نے یہ اشارہ سمجھ کر جواب دیا کہ مجھ کو اس کی حاجت نہیں۔ جسے تم منتخب کرو گے میں بھی اسے قبول کر لوں گا۔ ان لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا اس کا مستحق نہیں ہے اس لیے ہم کسی دُوسرے کو منتخب کر ہی نہیں سکتے۔ حضرت علیؓ نے پھر عُذر کیا کہ امیر ہونے کے مقابلے میں مجھے وزیر ہونا زیادہ پسند ہے۔ آخر میں لوگوں نے پھر عرض کیا کہ ہم لوگ آپ ہی کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ غرض مسلمانوں کے اصرار سے مجبور ہو کر اور امتِ اسلامیہ کے مفاد کا لحاظ کر کے آپؓ نے قبول فرمایا اور مجمعِ عام میں مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ بیعت کے بعد ذی الحجہ ۳۵ھ میں آپ نے مسندِ خلافت پر قدم رکھا۔

(تاریخ اسلام معین الدین احمد ندوی بحوالہ طبری و ابن سعد)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ طلحہؓ اور زبیرؓ کی نیت معلوم ہونی چاہیئے چنانچہ مالک اشتر طلحہؓ کی جانب اور حکیم بن جبلہ زبیرؓ کی جانب روانہ ہوئے اور دونوں حضرات کو زبردستی پکڑ کر حضرت علیؓ کے سامنے لائے۔ حضرت علیؓ نے ان دونوں حضرات سے فرمایا کہ آپ میں سے جو شخص خلافت کا خواہش مند ہو میں اُس کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے تیار ہوں۔ ان دونوں نے انکار کیا۔ پھر ان دونوں سے کہا گیا کہ اگر تم دونوں خلیفہ بننا نہیں چاہتے ہو تو حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کرو۔ یہ دونوں کچھ سوچنے لگے تو مالک اشتر نے تلوار کھینچ کر حضرت طلحہؓ سے کہا کہ ابھی آپ کا قصہ پاک کر دیا جائے گا۔ حضرت طلحہؓ نے یہ حالات دیکھ کر حضرت علیؓ سے کہا کہ میں اس شرط پر بیعت کرتا ہوں کہ آپ کتاب اللہ اور سُنّتِ رسُول اللہؐ کے مطابق حکم دیں اور حدودِ شرعی جاری کریں یعنی قاتلینِ عثمانؓ سے قصاص لیں

حضرت علیؓ نے ان باتوں کا اقرار کیا۔ حضرت طلحہؓ نے بیعت کے لیے اپنا ہاتھ بڑھایا جو کٹا ہُوا تھا (جنگِ اُحد میں ان کا ہاتھ زخموں کی کثرت سے بیکار ہو گیا تھا) بعض لوگوں نے اس مجلس میں سب سے پہلے حضرت طلحہؓ کے کٹے ہُوئے ہاتھ کا بیعت کے لیے بڑھتے ہوئے دیکھ کر بد فالی سمجھی۔ اس کے بعد حضرت زبیرؓ کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا اور انھوں نے بھی حضرت طلحہؓ والی شرطیں پیش کر کے بیعت کی۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے بھی بیعت کے لیے کہا گیا۔ انھوں نے اپنا دروازہ بند کر لیا اور کہا کہ جب سب لوگ بیعت کر لیں گے اس کے بعد میں بھی بیعت کروں گا اور اس بات کا بھی وعدہ کیا کہ میری طرف سے کسی قسم کا اندیشہ نہ کرو۔ ان کو حضرت علیؓ نے ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاص کی طرح بیعت میں تأمل کیا۔ ان سے لوگوں نے ضامن طلب کیا۔ (تاریخ اسلام مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی)

آپؓ کی خلافت کے اہم واقعات

آپ کے عہدِ خلافت میں کفّار سے جہاد بالکل موقوف رہا اور اسلامی فتوحات میں کوئی اضافہ نہیں ہُوا۔ آپ کا تمام زمانۂ خلافت آپس کی لڑائیوں میں صرف ہو گیا۔ تین لڑائیاں آپ کو پیش آئیں۔

اوّل۔ جنگِ جمل: جس میں امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ سے لڑنا پڑا۔

دوم۔ جنگِ صفین: جس میں حضرت معاویہؓ اور اہلِ شام سے مقابلہ ہُوا۔

سوم۔ جنگِ نہروان: جس میں خوارج سے مقابلہ ہُوا۔ یہ آپ کی آخری لڑائی تو تمام صحابہ کے نزدیک پسندیدہ تھی اور بعض احادیث میں اس کے متعلق پیشین گوئی اور

پسندیدگی کے کلمات بھی وارد ہوئے ہیں مگر جنگِ جمل اور صفین کو اکثر صحابہؓ نے ناپسند کیا اور بہت سے محتاط لوگ ان لڑائیوں سے کنارہ کش رہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو جب حضرت علیؓ نے اپنی رفاقت کے لیے بُلایا اور اُن کے والد سے اپنے تعلقات کا ذکر کیا تو انھوں نے جواب میں لکھا کہ اے ابوالحسن، اللہ کی قسم! اگر آپ سانپ کے منہ میں ہاتھ ڈالنے کو کہیں تو میں تیار ہوں لیکن آپ یہ چاہیں کہ کسی لآ اِلٰہ اِلّا اللہ کہنے والے پر تلوار اُٹھاؤں تو یہ مجھ سے نہ ہوگا۔ ایسا ہی اور صحابہ کرامؓ نے بھی کیا نہ اِدھر تھے نہ اُدھر تھے اس جماعت کو قاعدین کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔

جنگِ صفین کے بعد حضرت علی مرتضیٰؓ کے قبضہ سے تمام مُلک نکل گیا۔ حتیٰ کہ آخر میں سوائے کوفہ اور مضافاتِ کوفہ کے آپؓ کے پاس کچھ نہیں رہ گیا۔ جنگِ جمل و صفین کے بعض حالات لکھے جاتے ہیں جس سے یہ معلوم ہوگا کہ ان لڑائیوں کو جو لوگ صحابہؓ کی بدگوئی کا ذریعہ بناتے ہیں وہ کس قدر گمراہی میں مُبتلا ہیں۔

جنگِ جمل

یہ لڑائی جمادی الآخر ۳۶ھ میں ہوئی۔ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ جب بلوائیوں کے جبر سے حضرت علی مرتضیٰؓ کے دستِ مبارک پر بیعت کر چکے تو فوراً مدینہ سے چل دیے۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اس سال حج کو گئی ہوئی تھیں اور اس وقت مکہ میں تھیں۔ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ نے سارا واقعہ جاکر ان سے بیان کیا کہ حضرت عثمانؓ شہید ہوگئے اور بلوائیوں نے لوگوں پر جبر کر کے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کرائی ہے۔ اور اس وقت مدینہ میں سخت فتنہ برپا ہے۔ آپ اُمّ المومنین ہیں۔ آپ کی پناہ میں ہم کو امن ملے گا۔ آپ ایسی کوشش کیجیے کہ یہ فساد کسی طرح دفع ہو۔ حضرت علیؓ مصلحت اس میں سمجھتے ہیں کہ قاتلانِ عثمانؓ سے قصاص لینے میں سکوت چاہیے حالانکہ اس سکوت سے بلوائیوں کا زور بڑھتا جاتا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے ان جھگڑوں میں پڑنے سے انکار کیا۔ حضرت طلحہؓ

اور زبیرؓ نے قرآن مجید کی وہ آیت پڑھی جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی اصلاح کی کوشش کا حکم دیا ہے۔ بالآخر حضرت عائشہؓ ان کی رائے سے متفق ہو گئیں اور یہ مشورہ طے پایا کہ جبتک ان بلوائیوں کا زور کم نہ ہو مدینہ نہ جانا چاہیئے۔ بلکہ عرب سے باہر کا گوشۂ عافیت تجویز کرنا چاہیئے اور کسی تدبیر سے علیؓ کو ان مفسدوں کے گروہ سے جدا کر کے اپنے ساتھ لے لینا چاہیئے پھر تمام کام بن جائے گا۔ حضرت عثمانؓ کا قصاص بھی لے لیا جائے گا اور ان مفسدوں کی گوشمالی بھی ہو جائے گی۔ چنانچہ اسی تجویز کے مطابق یہ لوگ بصرہ کی جانب روانہ ہوئے۔ بلوائیوں نے یہ قصّہ حضرت علیؓ کے سامنے بہت رنگ آمیزی کے ساتھ بیان کیا اور ان کو یہ سمجھایا کہ یہ لوگ آپ کو خلافت سے معزول کرنا چاہتے ہیں اور جو اصلی نیّت ان لوگوں کی تھی اس کا علم بھی حضرت علیؓ کو نہ ہونے دیا۔ حضرت علیؓ بھی بجانب بصرہ روانہ ہوئے اور حضرات حسنینؓ اور عبداللہ بن جعفرؓ، عبداللہ اور عباس اس فوج کشی کے مخالف تھے مگر ان کی کچھ نہ چلی۔ جب حضرت علیؓ کی فوج بصرہ کے قریب پہنچ گئی تو آپ نے حضرت قعقاع صحابی کو قاصد بنا کر حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے پاس بھیجا۔ حضرت قعقاع اوّلاً ام المومنین سے ملے۔ انھوں نے صاف فرما دیا کہ میرا مقصود صرف اصلاح ہے کسی طرح یہ فتنہ فساد دُور ہو اور امن قائم ہو جائے۔ پھر حضرت قعقاع نے حضرت طلحہؓ و زبیرؓ سے ملاقات کی اور پوچھا کہ آپ لوگوں نے اصلاح کی کیا صورت تجویز کی ہے۔ ان دونوں نے کہا۔ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے انتقام لیے بغیر امن نہیں ہو سکتا حضرت قعقاع نے کہا کہ یہ مقصود تو بغیر اس کے کہ سب مسلمان متفق نہ ہو جائیں، حاصل نہیں ہو سکتا لہٰذا آپ لوگوں کو چاہیئے کہ حضرت علیؓ سے مل جائیں اور باہم متفق ہو کر اس کی تدبیر کیجیے۔ یہ رائے حضرت طلحہؓ و زبیرؓ نے بھی پسند کی اور حضرت قعقاع صُلح کی خوشخبری لے کر حضرت علیؓ کے پاس گئے۔ وہ بھی بہت خوش ہوئے۔ تین دن تک باہم نامہ و پیام جاری رہا۔ تیسرے دن باہم یہ بات طے ہوئی کہ صبح کو حضرت علیؓ کی ملاقات حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے ساتھ طے ہو کہ ان بلوائیوں میں سے کوئی شخص اس مجلس میں شریک نہ ہونے پائے۔ بلوائیوں کو یہ امر سخت ناگوار ہوا۔ وہ

جانتے تھے کہ اس تنہائی کی ملاقات کے بعد حضرت علیؓ ہمارے قابو سے نکل جائیں گے لہٰذا ان لوگوں نے یہ تجویز سوچنا شروع کی کہ کوئی ایسی بات کرو کہ یہ صلح ٹوٹ جائے اور ملاقات نہ ہونے پائے۔ عبداللہ بن سبا مشہور منافق و مُوجد مذہب شیعہ بھی انہی بلوائیوں میں تھا بلکہ وہ سب کا سردار تھا۔ اُس نے یہ رائے دی کہ تم آج ہی رات میں لڑائی شروع کر دو اور اس کے بعد حضرت علیؓ کو یہ اطلاع دو کہ اس فریق نے بدعہدی کر کے جنگ شروع کر دی چنانچہ ایسا ہی ہُوا اور ان مُفسد بلوائیوں نے خود بخود پچھلی رات میں جنگ شروع کر دی۔ دوسری طرف سے جواب دیا گیا۔ حضرت علیؓ کے لشکر میں یہ شہرت تھی کہ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ نے بدعہدی کی اور اس جانب سے یہ مشہور تھا کہ حضرت علیؓ کی طرف سے بدعہدی ہُوئی۔ غرض کہ بڑے معرکے کی جنگ ہُوئی۔ دونوں طرف سے تیرہ ہزار مسلمان قتل ہوئے۔ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ بھی اسی جنگ میں شہید ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ حضرت طلحہؓ تو میدانِ جنگ میں شہید ہو گئے مگر حضرت زبیرؓ میدانِ جنگ سے کنارہ کش ہو کر واپس جا رہے تھے، راستے میں ان کو ابنِ جرموز نے شہید کر دیا۔ ابنِ جرموز حضرت زبیرؓ کو شہید کر کے بامیدِ انعام حضرت علیؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ امیرالمومنین مُبارک ہو کہ مَیں نے آپ کے دشمن کو قتل کر دیا حضرت علیؓ نے پوچھا کہ کس کو، اُس نے کہا زبیر کو، آپ نے فرمایا میں تجھ کو خوشخبری سُناتا ہُوں کہ تُو دوزخ میں جائے گا۔ ابنِ جرموز نے کہا، واہ آپ نے خُوب انعام دیا۔ آپ نے فرمایا میں کیا کروں مجھ سے رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ یا علی بشر قاتل ابن صفیۃ بالنار۔ یعنی اے علیؓ میری پھوپھی صفیہ کے بیٹے کو جو شخص قتل کرے اس کو تم دوزخ کی خوشخبری سُنا دینا۔ حضرت زبیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ یہ سُن کر ابن جرموز نے خودکشی کر لی۔ حضرت علیؓ نے دیکھ کر بلند آواز سے تکبیر پڑھی کہ دیکھو رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا تھا وہ کتنا سچا ہُوا۔

اختتامِ جنگ کے بعد حضرت علیؓ اور امام حسن اور عبداللہ بن عباسؓ میدانِ جنگ

میں مقتولوں کی لاشیں دیکھنے کے لیے تشریف لے گئے۔ ایک مقام پر پہنچ کر امام حسنؓ نے آواز دی کہ یا ابت واللہ فرخ قریش۔ یعنی اے باپ اللہ کی قسم ایک نوجوان بچہ قریش کا یہاں پڑا ہے۔ حضرت علیؓ نے پوچھا تو انھوں نے کہا کہ محمد بن طلحہ، حضرت علیؓ نے فرمایا واللہ کان شابا صالحًا۔ اللہ کی قسم جوان صالح تھا۔

پھر حضرت علیؓ کا گزر حضرت طلحہؓ کی لاش مبارک پر ہُوا تو آپ ان کو دیکھ کر بیٹھ گئے اور فرمانے لگے ابُو محمد اس جگہ اس حالت میں پڑے ہیں اور فرمایا اے کاش! میں آج سے تیس برس پہلے مرگیا ہوتا اور حضرت طلحہؓ کے ہاتھ کو لے کر بار بار چُومتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ وہ ہاتھ ہے جس نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر سے مصائب کو دفع کیا۔

(خلفائے راشدین بحوالہ تطہیر الجنان)

جنگِ صفین

جنگِ جمل سے فراغت کے بعد ۳۷ھ میں حضرت معاویہؓ سے مقابلہ ہُوا۔ یہ لڑائی کئی دن تک رہی اور بڑی سخت خونریزی ہُوئی۔ اس لڑائی میں حضرت علیؓ کو اپنے ساتھیوں کی سرکشی اور بُزدلی سے بہت پریشانی رہی۔ آخر ایک روز خود آپ میدانِ جنگ میں تشریف لے گئے۔ حضرت معاویہؓ کو اس کی اطلاع ہُوئی تو انھوں نے حکم دیا کہ علیؓ کو زندہ گرفتار کر لاؤ۔ لوگوں نے کہا کہ زندہ گرفتار ہو کر آنا مشکل ہے۔ البتہ قتل کر کے ہم لا سکتے ہیں۔ حضرت معاویہؓ نے کہا کہ ہم علیؓ کو قتل کرنا نہیں چاہتے اسکے بعد اہلِ شام کی طرف سے قرآن شریف کے نسخے بلند کیے گئے کہ اے علی! آؤ اس کتاب کی رُو سے ہم تم فیصلہ کرلیں، اس کارروائی کے ساتھ ہی لڑائی میں حضرت علیؓ کے ساتھ والے تو ہمت ہار ہی چکے تھے۔ اس موقع کو غنیمت سمجھ کر انھوں نے فوراً تلوار کو نیام میں کرلیا۔ اور یہ طے پایا کہ دو شخص مقرر کیے جائیں۔ ایک حضرت علیؓ کی طرف سے اور ایک حضرت معاویہؓ کی طرف سے۔ دونوں مل کر جو فیصلہ کر دیں اس پر فریقین عمل کریں۔ حضرت علیؓ

اپنی طرف سے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو اور حضرت معاویہؓ نے حضرت عمرو بن العاص کو حکم مقرر کیا۔ ان دونوں حکموں کا فیصلہ حضرت علیؓ کے خلاف ہوا۔

اس لڑائی کی بنیاد یہ تھی کہ حضرت معاویہؓ حضرت عثمانؓ کا قصاص چاہتے تھے اور حضرت علیؓ فرماتے تھے کہ بلوائیوں کی قوت زیادہ ہے ابھی ان سے قصاص نہیں لیا جا سکتا۔ حضرت معاویہؓ کہتے تھے کہ آپ ان کے درمیان سے ہٹ جائیے تو میں ابھی ان سے قصاص لے لوں۔ اسی بات پر اس قدر طول ہوا کہ فوج کشی کی نوبت آئی۔ (خلفاء راشدین)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت

۱۷ رمضان المبارک سن ۴۰ھ کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علی الصبح بیدار ہو کر اپنے صاحبزادے حضرت حسنؓ سے فرمایا کہ رات میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی ہے کہ آپ کی اُمت نے میرے ساتھ کجروی اختیار کی ہے اور اس نے سخت نزاع برپا کر دیا ہے۔ آپ نے اس کے جواب میں مجھ سے فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرو۔ چنانچہ میں نے بارگاہِ ربّ العزت میں اس طرح دُعا کی کہ الٰہی! مجھے تو ان لوگوں سے بہتر لوگوں میں پہنچا دے اور میرے بجائے ان لوگوں کا ایسے شخص سے واسطہ ڈال جو مجھ سے بدتر ہو۔" ابھی آپ یہ فرما ہی رہے تھے کہ اتنے میں ابن نباح مؤذن نے آکر آواز دی الصّلوٰۃ الصّلوٰۃ! چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز پڑھانے کے لیے گھر سے چلے۔ راستے میں آپ لوگوں کو نماز کے لیے آواز دے دے کر جگاتے جاتے تھے کہ اتنے میں ابن ملجم سے سامنا ہُوا اور اس نے اچانک آپ پر تلوار کا ایک بھرپور وار کیا۔ وار اتنا شدید تھا کہ آپ کی پیشانی کنپٹی تک کٹ گئی اور تلوار دماغ پر جا کر ٹھہری۔ اتنی دیر میں چاروں طرف سے لوگ دوڑ پڑے اور قاتل کو پکڑ لیا۔

یہ زخم بہت کاری تھا۔ پھر بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمعہ و ہفتہ تک بقیدِ حیات رہے مگر اتوار کی شب میں آپ کی رُوح بارگاہِ قدس میں پرواز کر گئی۔ حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ

اور عبداللہ بن جعفرؓ نے آپ کو غسل دیا۔ امام حسنؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور دارالامارت کوفہ میں رات کے وقت آپ کو دفن کر دیا۔ ابن ملجم کو جسے گرفتار کیا جاچکا تھا جسم کے ٹکڑے کر کے ایک ٹوکرے میں رکھ کر آگ لگا دی اور وہ جل کر خاکستر ہو گیا۔ (تاریخ الخلفاء)

ازواج و اولاد

حضرت علیؓ نے حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے انتقال کے بعد متعدد شادیاں کیں اور ان سے بکثرت اولادیں ہوئیں۔ حضرت فاطمہؓ کے بطن سے حضرت حسنؓ، حسینؓ اور محسن تھے۔ محسن کا انتقال بچپن میں ہو گیا تھا اور صاحبزادیوں میں زینبؓ اور امّ کلثوم تھیں۔ اُمِ کلثوم کا عقد حضرت عمرؓ کے ساتھ ہوا تھا۔ خولہ کے بطن سے محمد بن علیؓ تھے جو محمد بن حنفیہ کے نام سے مشہور ہیں۔ حضرت حسینؓ کے بعد یہ بڑے نامور فرزند تھے۔ ان کے علاوہ اور بہت سی اولادیں تھیں جن کا نہ کوئی کارنامہ ہے اور نہ انھوں نے کوئی خاص شہرت حاصل کی۔

(تاریخ اسلام۔ معین الدین احمد ندوی)

سیرۃ المرتضیٰ پر ایک جامع تبصرہ

امیر معاویہؓ کے استفسار پر حضرت علیؓ کے ایک حاشیہ نشین ضرار مدائی نے آپ کے حسب ذیل اوصاف بیان کیے تھے جو آپ کی سیرت پر ایک جامع تبصرہ ہے:

"وہ بلند حوصلہ اور نہایت قوی تھے۔ فیصلہ کُن بات کہتے تھے، عادلانہ فیصلہ کرتے تھے ان کے ہر سمت سے علم پھوٹتا تھا اور حکمت ٹپکتی تھی۔ دُنیا اور اس کے دلفریبوں سے وحشت کرتے تھے۔ رات کی تاریکی اور اس کی وحشت سے اُنس رکھتے تھے۔ عبرت پذیر اور بہت غور و فکر کرنے والے تھے۔ چھوٹا لباس اور موٹا چھوٹا کھانا پسند کرتے تھے، ہم میں ہم ہی لوگوں کی طرح رہتے تھے۔ جب ہم کچھ پوچھتے تھے تو اس کا جواب دیتے تھے۔ باوجودیکہ وہ ہم کو اپنے قریب رکھتے تھے اور خود ہمارے قریب رہتے تھے لیکن ہم ہیبت سے ان سے گفتگو نہ کر

سکتے تھے، وہ دینداروں کی تعظیم کرتے تھے، غریبوں کو مقرب بناتے تھے۔ ان کے سامنے طاقتور باطل میں طمع نہیں کرسکتا تھا اور کمزور انصاف سے مایوس نہیں ہوتا تھا بعض مواقع پر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ رات گزر رہی ہے۔ ستارے جھلملا رہے ہیں اور وہ اپنی داڑھی مٹھی میں دبائے مار گزیدہ کی طرح بے قرار اور غم رسیدہ کی طرح اشکبار کہہ رہے ہیں، اے دُنیا! کسی اور کو فریب دے، تُو مجھ سے لگاوٹ کر رہی ہے، میری مشتاق ہے۔ افسوس، افسوس! مَیں نے تجھے تین طلاقیں دیں، تیری عُمر تھوڑی اور تیرا مقصد حقیر ہے۔ ہائے ہائے سفر طویل، راستہ وحشت ناک اور زادِ سفر تھوڑا ہے۔"

(تاریخ اسلام معین الدین ندوی بحوالہ روضتہ النظرۃ)

یہ اوصاف سُن کر امیر معاویہؓ رو پڑے اور کہا، خدا ابوالحسن (علیؓ) پر رحم کرے بخدا وہ ایسے ہی تھے۔

حضرت علیؓ کے اقوالِ زرّیں

(۱) سب سے بڑی تونگری عقل کی توانائی ہے۔
(۲) حماقت سے زیادہ کوئی مفلسی اور تنگدستی نہیں۔
(۳) غرور و تکبّر سب سے سخت وحشت ہے۔
(۴) اور سب سے عظیم خلق کرم ہے۔
(۵) احمق کی محبت سے بچو، کیونکہ وہ تم کو نفع پہنچانے کا ارادہ کرتا ہے، لیکن پہنچ جاتا ہے ضرر۔
(۶) جھوٹے سے پرہیز کرو کیونکہ وہ بعید کو قریب اور قریب کو بعید کر دیتا ہے۔
(۷) بخیل سے اعراض کرو، کیونکہ وہ تم سے اُن چیزوں کو چھڑا دے گا جن کی تم کو احتیاج ہے۔

(۸) فاجر سے کنارہ کش رہو کیونکہ وہ تمھیں تھوڑی سی چیز کے بدلے فروخت کر ڈالے گا۔

(۹) وہ کام کرو جو بارگاہِ الٰہی میں قبول ہو اور عملِ صالح کرنے میں زیادہ سے زیادہ سعی کرو کیونکہ عملِ صالح بغیر تقویٰ قابلِ قبول نہیں ہے۔

(۱۰) خوش اخلاقی بہترین دوست ہے۔

(۱۱) عقل و شعور بہترین ساتھی ہیں۔

(۱۲) ادب بہترین میراث ہے۔

(۱۳) مسئلہ قدر ایک سِرِّ الٰہی ہے جو تم سے پوشیدہ رکھا گیا ہے اس کی تفتیش مت کرو۔

(۱۴) بغیر طلب کے کچھ دینا سخاوت ہے اور مانگنے والے کو دینا بخشش اور داد و دہش ہے۔

(۱۵) معصیت کی سزا یہ ہے کہ عبادت میں سستی پیدا ہو جاتی ہے معیشت میں تنگی اور لذّت و حظ میں کمی آجاتی ہے، حلال کی خواہش اس شخص میں پیدا ہوتی ہے جو حرام کی کمائی چھوڑ دینے کی مکمّل اور بھرپور کوشش کرتا ہے۔ (تاریخ الخلفاء)

(۱۶) محسن کا شکر ادا کرو اور شکر گزار پر احسان کرو۔

(۱۷) علم دولت سے بہتر ہے کیونکہ تم دولت کی حفاظت کرتے ہو اور علم تمہاری حفاظت کرتا ہے۔

(۱۸) جب تم پر کوئی احسان کرے تو اُسے پھیلاؤ اور جب تم کسی پر احسان کرو تو اُسے چھپاؤ۔

(۱۹) دین خزانہ ہے اور علم اس کا راستہ۔

(۲۰) بھلائی کی خواہش بُرائی کی خواہش کو دبا دیتی ہے۔

(۲۱) پرہیزگاری سے بڑھ کر کوئی عزّت نہیں۔

(۲۲) انسان کا سب سے بڑا دشمن اس کا پیٹ ہے۔

(۲۳) ذلت اُٹھانے سے بہتر ہے کہ تکلیف اٹھاؤ۔

(۲۴) جھگڑے میں کُودنا بہت آسان ہے لیکن نکلنا بہت مشکل۔

(۲۵) تین آدمی تین چیزوں سے محروم رہتے ہیں۔ جلدباز کامیابی سے، غضبناک صحیح اقدام سے اور جھوٹا عِزت سے۔

(۲۶) خاموشی عالم کے لیے زیور اور جاہل کی جہالت کے لیے پردہ ہے۔

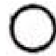
(۲۷) عجلت کا نتیجہ ندامت ہے، تحمّل کا سلامت۔

(۲۸) لوگ یتیم اس کو کہتے ہیں جس کا باپ زندہ نہ ہو لیکن مَیں یتیم اس کو کہتا ہُوں جس نے علم حاصل نہ کیا ہو۔

(۲۹) نیکی کا ارادہ بدی کی خواہش کو دباتا ہے۔

(۳۰) بڑا احمق وہ ہے جو دوسروں کی بُرائی کو بُرا سمجھے اور خود اُن پر جما ہُوا ہو۔

(ماخوذ از سنہرے اقوال)



خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

ایک نظر میں

حضرت ابوبکر صدیقؓ : خلافت دو سال تین ماہ دس دن

۲۲ر جمادی الاخریٰ بروز دوشنبہ ۱۳ھ مطابق ۲۳ر اگست ۶۳۴ء میں انتقال فرمایا۔ حجرۂ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ الموسوم بہ گنبدِ خضریٰ پہلوئے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں آرام فرما ہیں۔

اولاد :

۱۔ پہلی بیوی قتیلہ بنت عبد العزیٰ سے اولاد۔ عبداللہؓ و اسماءؓ۔ اسلام نہ لانے کی وجہ سے اسے طلاق دے دی۔

۲۔ دوسری بیوی امِ رمان سے اولاد۔ عبد الرحمٰن اور حضرت عائشہ صدیقہ ام المومنین رضی اللہ عنہا۔

۳۔ تیسری بیوی اسماء بنت عمیس (بیوہ جعفر بن ابی طالب) سے محمد پیدا ہوئے جو مصر میں مقتول ہوئے۔

۴۔ حبیبہ بنت خارجہ انصاریہ سے اولاد۔ امِ کلثوم جو بعد وفات پیدا ہوئیں

عہدیدارانِ خلافت :

کاتب : ۱۔ عثمان بن عفان ۲۔ زید بن ثابت ۳۔ عبد بن الارقم

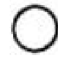
قاضی : عمر بن الخطاب

حاجب : شدید (جو اُن کے آزاد غلام تھے)

نقشِ خاتم : نعم القادر اللہ

عمّالِ خلافتِ صدّیقی :

۱۔ عتاب بن اسید عامل مکہ ۲۔ عثمان بن العاص عامل طائف
۳۔ مہاجر بن امیہ عامل صنعاء ۴۔ زیاد بن لبید عامل حضر موت
۵۔ یعلی بن امیہ عامل خولان ۶۔ ابو موسیٰ الاشعری عامل یمن
۷۔ معاذ بن جبل عامل جند ۸۔ علا بن الحضرمی عامل بحرین
۹۔ عیاض بن غنم عامل دو الجندل ۱۰۔ مثنیٰ بن حارث عامل عراق



حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ

مدّتِ خلافت :

دس سال پانچ ماہ چار دن
۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ کو فجر کے وقت حالتِ امامت میں ابو لولو فیروز مجوسی نے حملہ کیا۔ یکم محرّم ۲۴ھ کو انتقال فرمایا۔ گنبدِ خضریٰ پہلوئے سیدنا صدّیق آرامگاہ ہے۔

مجلسِ شوریٰ : (برائے انتخاب خلیفہ حضرت عمرؓ نے مقرّر کی)

۱۔ حضرت علیؓ ۲۔ حضرت عثمانؓ ۳۔ حضرت طلحہؓ (اس وقت موجود نہ تھے)
۴۔ حضرت زبیرؓ ۵۔ حضرت عبد الرحمٰنؓ بن عوف ۶۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص
۷۔ اپنے فرزند عبد اللہ بن عمرؓ کو مشورہ دیا کہ وہ مباحثہ و فیصلہ میں حصّہ نہ لیں۔

لوازمِ خلافت :

کاتب : ۱۔ زیدؓ بن ثابت ۲۔ عبد اللہؓ بن الارقم

حاجب : یرفیٰ (جو اُن کے آزاد غلام تھے)

قاضی : ابو امیہ شریح بن الحارث

نقشِ خاتم : کفیٰ بالموت واعظاً یا عُمر

مختلف سالوں میں مختلف عمّال مقرر ہوئے۔

اہل وعیال :

درج ذیل ازواج یکے بعد دیگرے آپؓ کے نکاح میں آئیں۔

۱۔ زینب بنت مظعون جمحیہ۔ (عہدِ جاہلیت کا نکاح)

اولاد : عبداللہ، عبدالرحمٰن

۲۔ ملیکہ بنت جرول۔ (عہدِ جاہلیّت کا نکاح)

حضرت حفصہ (زوجہ رسولؐ) اولاد : عبداللہ

۳۔ امِّ کلثوم بنت جرول خزاعی (عہدِ جاہلیّت کا نکاح)

اولاد : زید، اصغر، عبیداللہ، جو جنگِ صفین میں معاویہ کی طرف سے مقتول ہوئے۔

۴۔ قریبہ بنت ابی امیہ

۵۔ امِ حکم اولاد : صرف فاطمہ

۶۔ جمیلہ بنت ثابت اولاد : حضرت عاصم

۷۔ امِ کلثوم بنت علی و فاطمہؓ اولاد : زید و رقیہ

۸۔ لہیہ (یمنی خاتون) اولاد : عبدالرحمٰن

۹۔ امِ ولد اولاد : عبدالرحمٰن اصغر

۱۰۔ فکیہہ (لونڈی جو امِ ولد کہلاتی تھی) اولاد : زینب

۱۱۔ عاتکہ بنت زید (حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد زبیر بن العوام نے نکاح کرلیا)

مفتوحہ علاقہ :

کُل مفتوحہ علاقہ ۲۲۵۱۰۳۰ مربع میل تھا۔ شام، عراق، جزیرہ، خوزستان، عراقِ عجم، آرمینیہ، آذربائیجان، فارس، کرمان، مکران جس میں بلوچستان کا کچھ حصہ آجاتا تھا۔ ایشیائے کوچک جسے اہلِ عرب رُوم کہتے تھے فتح کیا۔

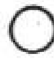
خاص امر :

۱۔ فوجیں مرتب کیں ۲۔ شہر بسائے ۳۔ محاکم و دفاتر بنائے۔

۴۔ عطا کی طرح ڈالی۔ یعنی تمام مسلمانوں کے لیے بیت المال سے حسبِ حیثیت تنخواہیں مقرر کیں۔

۵۔ سنِ ہجری جاری کیا۔

۶۔ ماہِ رمضان میں نمازِ تراویح سُنّت قرار دی۔



سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ

مدّتِ خلافت : بارہ سال گیارہ دن

۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو انتہائی مظلومیت کی حالت میں شہید ہوئے جنّت البقیع مدینہ منوّرہ آرام گاہ ہے۔

عہدیدارانِ خلافت :

کاتب : مروان بن الحکم

حاجب : حمران (جو حضرت عثمانؓ کے آزاد غلام تھے)

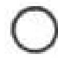
قاضی : ۱۔ زید بن ثابت انصاری ۲۔ سائب بن یزید

خاتم : اٰمنت باللہ العظیم

اہل و عیال : ازواج

حضرت رقیہ بنت رسولؐ	اولاد : عبداللہ الاکبر
حضرت فاختہ بنت غزوان	〃 عبداللہ الاصغر
حضرت ام عمرو بنت جندب	〃 عمر، خالد، ابان، عمر، مریم، ولید اور سعید
حضرت ام البنین بنت عیینہ	〃 عبدالملک، عتبہ
حضرت املہ بنت شیبہ	〃 عائشہ، امِ ابان، امِ عمر اور دوسری صاحبزادیاں
حضرت نائلہ بنت الفرافعہ	〃 مریم، عتبہ

عمرو جو اُن کے سب سے بڑے بیٹے عبداللہ کی بیوی فاطمہ بنت الحسین ابن علی بن ابی طالب تھیں، انہی سے اولاد چلی۔



سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

مدّتِ خلافت : چار سال نو ماہ

۱۷ رمضان المبارک سنہ ۴۰ھ میں ابن ملجم کے ہاتھوں فجر کے وقت جامع کوفہ میں داخل ہوتے وقت شہید ہوئے اور جامع کوفہ کے قریب یا کوفہ میں دفن ہیں۔

لوازمِ خلافت :

کاتب : عبداللہ بن رافع

قاضی : شریح

حاجب : قنبر (آپ کا آزاد کردہ غلام)

نقشِ خاتم : الملک اللہ

اہلِ بیت و اولاد :

آپ نے حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد متعدد شادیاں کیں۔ ۹ شادیوں سے گیارہ لڑکے سولہ لڑکیاں تھیں :

۱۔ سیّدہ فاطمہ بنت رسولؐ۔

اولاد : حسنؓ، حسینؓ، زینب اور امِ کلثوم

۲۔ خولہ بنت جعفر ابن قیس (قبیلہ حنفیہ سے)

اولاد : محمّد بن الحنفیہ یا محمّد اکبر

۳۔ صہبا (امِ حبیب) بنت ربیعہ

اولاد : عمر

۴۔ امّ البنین بنت حزام

اولاد : عمر، عباس، جعفر، عبیداللہ، عثمان

۵۔ لیلیٰ بنت مسعود اولاد : عبیداللہ، ابوبکر

۶۔ اسمار بنت عمیس اولاد : محمّد اصغر، عون، یحییٰ

۷۔ امامہ بنت ابو العاص و حضرت زینب بنتِ رسولؐ

اولاد : محمّد، اوسط

۸۔ امِ سعید بنت عروہ بن سعود

اولاد : ام الحسن، امتہ اکبری

۹۔ ممیات بنت امرا القیس۔ اولاد : حارثہ

کتابیات

(۱) قرآنِ مجید
(۲) تفسیرِ حقّانی مولانا عبد الحق حقّانی
(۳) مظاہرِ حق علّامہ نواب محمّد قطب الدین
(۴) طبقات ابن سعد محمّد ابن سعد
(۵) تاریخ الخلفاء علامہ جلال الدین سیوطیؒ
(۶) ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء شاہ ولی اللہؒ
(۷) تاریخِ اسلام اکبر شاہ خان نجیب آبادی
(۸) تاریخِ اسلام شاہ معین الدین احمد ندوی
(۹) خلفائے راشدین عبد الشکور لکھنوی
(۱۰) تقویم خیر القرون کاشف البرنی
(۱۱) سیرت النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم (اجمالی نظر میں) اشرف اکیڈمی لاہور
(۱۲) الفاروق ۔ علّامہ شبلی نعمانی



خطاطی

محمّد جمیل حسن تلمیذ حضرت سیّد نفیس الحسینی صاحب مدّ ظلہم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

أُولٰئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۚ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

طالبِ دُعا:

محمد احمد


بسم الله الرحمن الرحيم